حضرت امیر خسرو علیہ الرحمۃ کی

حضرت امیر خسرو علیہ الرحمۃ
کی
بیٹی کے نام نصیحت

مترجم و شارح
ڈاکٹر محمد شجاع منعمی

مسلم کتابوی لاہور

بسم اللہ والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہ الکریم

نام : ———— حضرت امیر خسرو کی بیٹی کے نام نصیحت

مترجم و شارح : ———— خواجہ ڈاکٹر فریدون زمان محمد شجاع منعمی

اشاعت : ———— بار اوّل : رمضان المبارک ۱۴۱۷ھ فروری ۱۹۹۷ء

تعداد : ———— گیارہ صد

طابع : ———— گنج شکر پرنٹرز لاہور

ناشر : ———— مسلم کتابوی لاہور

کتابت : ———— عبدالرحمٰن عاجز

قیمت : ———— ۱۸/ روپے

ملنے کا پتہ

مسلم کتابوی دربار مارکیٹ، گنج بخش روڈ لاہور۔ پوسٹ کوڈ : ۵۴۰۰۰

اندازِ آغاز

وہ جس نے نصیحت کو سُنا مگر اس پر عمل نہ کیا اس خاک کی طرح ہے جس میں بیج تو بویا گیا مگر کچھ پیدا نہ ہوا۔ ابرِ بہار بھی اُسی طرح سے ہنس ہنس کر اپنے موتی نچھاور کرتا رہا۔ سنہری کرنیں بھی خوش ہو ہو کر اس خاک کے ذرّات پر نثار ہوتی رہیں۔ مگر ایک سبز پتّا بھی وجود میں نہ آیا —— زرخیز خطۂ خاک اور بنجر صحرا کے اصل میں فرق ہے۔ نہ اس سے بیج کی صفات پر حرف گیری کی جا سکتی ہے نہ بارش اور دھوپ کی خوبیوں کو جھٹلایا جا سکتا ہے۔ اپنے مزاج کی زمین میں زرخیز بننے کی صلاحیت پیدا کرو۔

مبارک ہے وہ دِل جو پڑھتا ہے، سوچتا ہے اور پھر اس پر عمل کرتا ہے۔

فہرست

باب دوم

باب سوم

نصیحت کی حاجت

موج آب کی زندگی کا ثبوت اس کی حرکت ہے۔ بلکہ یہ درست تر ہے کہ اس کی زندگی کا انحصار حرکت پر ہے۔ سکوت وجمود جہاں وارد ہُوا اس کی ہستی گم ہو گئی۔ اور وہ بے حس سمندر کے سکوت میں فنا ہو کر اپنی زندگی کھو بیٹھی حقیقت میں زندگی کا ثبوت حرکت سے ملتا ہے۔ حرکت سے مقصود صرف یہ نہیں کہ مادہ جسم اپنے محل کو وقت گزرنے کے ساتھ بدلتا رہے بلکہ یہ کہ جاندار شے اپنے حسنِ جذبات، خلقتِ تخیلات اور شورشِ خودی وبیخودی کے زیرِ اثر تنوع اور تبدیلی پر مجبور رہو۔ خیال یا عمل کا ایک مقام پر مقید نہ ہونے کا نام حرکت ہے۔

آبِ رواں فلک بوس پہاڑوں کی دلفریب وادیوں، جنّت نشان دامنِ کوہسار کے سبزہ زاروں اور میدان کے گوہر افشاں کھیتوں میں سے نیچے کو بہتا چلا جاتا ہے۔ کبھی پُرشور نالہ ہے کبھی گرداب سے معمور ندی۔ کبھی جلیل القدر دریا کی صُورت اختیار کر لیتا ہے۔ مگر بہتا ہے اور نیچے کو بہتا ہے۔ نرم بلکہ نرمک خرام ہوا کے

جھونکے کبھی معطر نسیم سحری کی صورت میں دماغ کے لیے فرحت کا پیغام لاتے ہیں۔ اور کبھی ساون کی بھیگی ہوئی ہوائیں باغ و راغ کو کامیاب مستقبل کا سندیس سناتی ہیں۔ مشرق کی صد رنگ شفق میں نہائی ہوئی، بچپن کی شوخیوں سے مخمور کرنیں کبھی محوِ خواب مست کے ساتھ بیداری کی سرگوشیاں کرتی ہوئی نظر آتی ہیں اور کبھی جنگل اور بستی پر خشک ہڈیوں کے جگر کو سکھا دینے والی تابستان کی دھوپ بن کر یوں چمکتی ہیں کہ روزِ محشر کی تمازت کا احساس ہو جاتے۔ یہ سب زندگی ہے جو حرکت کا روپ دھار کر ازل کے مقام سے ابد کی منزل کی طرف جا رہی ہے۔

مگر اس کے ساتھ کیا ہوتا ہے۔ آبِ رواں ڈھلوان کی طرف بہتا چلا جاتا ہے۔ ہوا، ویرانوں اور بستیوں پر اپنی مستیوں میں آگے بڑھتی چلی جاتی ہے۔ آفتاب کا نور کرۂ خاکی کے ساکنین پر اپنی کرنوں کی بارش کرتا رہتا ہے۔ یہ سب مسلسل اور جاری ہے۔ اس کے ساتھ :-

ایں کہنہ رباط را کہ عالم نام است ٭ آرام گہِ ابلق صبح و شام است
بزم ایست کہ وا ماندۂ صد جمشید است ٭ قصر ایست کہ تکیہ گہِ صد بہرام است

—— عمر خیام

ہزاروں خوشنما پھول گلستان میں پیدا ہوتے ہیں اور اپنی بھینی بھینی خوشبو سے عالم کو پاکیزہ تر بنانے کے بعد رخصت ہو جاتے ہیں۔ لاکھوں

عظیم الشّان درخت پہاڑوں کی بلندیوں پر آسمان سے باتیں کرنے کے لیے آتے ہیں اور اپنی زندگی کی بہار دیکھنے کے بعد اسی خاک میں جہاں ننھے سے بیج نے پرورِش پائی تھی، پھر پیوندِ خاک ہو جاتے ہیں۔ کروڑوں انسان اپنے معنوی حُسن سے اس حَسین عالم کو حَسین تر بنانے اور اپنی باطنی خوبیوں سے باغِ جہاں میں نیکی کا بیج بونے کے لیے آتے ہیں۔ اپنا پیغام سُناتے ہیں اور رخصت ہو جاتے ہیں۔ بظاہر تو ہمیشہ کے لیے میٹھی نیند سو جاتے ہیں مگر حقیقت میں شہرتِ دوام کے نُور میں کھو جاتے ہیں۔

ان پھُولوں کی جگہ اور دلفریب کلیاں مسکراتی ہوئی دکھائی دیتی ہیں۔ ان درختوں کے مقام پر اور گھنے جنگل منصّۂ شہود پر آجاتے ہیں۔ ان انسانوں کی بجائے اور دل و دماغ معرضِ وُجود میں آجاتے ہیں۔ بزم دائم ہے اور گرمیٔ محفل قائم دُنیا مستقبل کی منزلیں طے کرنے کے لیے آگے کو چلی جارہی ہے مگر پھر بھی ساکن معلوم ہوتی ہے۔ بزم کے اَجزا بدلتے رہتے ہیں، مگر ہنگامہ ہائے بزم میں کمی نہیں آتی۔ اس کی نغمہ نوازیاں اور عشوہ طرازیاں متحرک ہیں اور پھر بھی قائم ہیں۔ آپ نے تیز رَو دریا کے مَنجدھارے میں گہرے بھنور کو دیکھا ہوگا۔ قائم اور ساکن معلوم دیتا ہے۔ مگر اس کی زندگی پانی کی حرکت پر منحصر ہے۔ بس یہی زندگی ہے۔

تُو اسے پیمانۂ امروز و فردا سے نہ ماپ ؎ جاوداں پیہم دواں ہر دم جواں ہے زندگی

قلزمِ ہستی سے تو اُبھرا ہے مانندِ حباب ؎ اس زیاں خانے میں تیرا امتحاں ہے زندگی

______ اقبال

یہ دُنیا مہاگرو بہروپیا ہے۔ رنگ رنگ کے سوانگ رچاتی ہے۔ اپنی حرکت کا عملی ثبوت دینے میں سَرتاپا محوِ عمل نظر آتی ہے۔ مگر اس کے اندر جوہر قائم و دائم رہتا ہے۔ یعنی خود زندگی اپنے پیکر بدلتی ہوئی آگے بڑھتی چلی جاتی ہے۔ زندگی وہی ہے قالب مختلف۔ زندگی کی صفات بھی اس کے ساتھ اسی طرح سے ہمیشہ کے لیے وابستہ ہیں جس طرح سے یہ خود قائم ہے۔ ان کو ہم زندگی کے حقائق کہتے ہیں۔ محبت کا صلہ محبت۔ عدو سے دلی مخاصمت غرور کا سر نیچا۔ یہ زندگی کے ساتھ قائم رہتے ہیں۔ ان کے ایک شعبے کو مناسب الفاظ اور صحیح طریقے پر پیش کرنے کا نام نصیحت ہے۔ پیرایۂ بیان ایسا ہو کہ سُننے والے پر مفید مطلب اثر پیدا کریں اور وہ انہیں اپنی زندگی کے لائحہِ عمل میں شامل کرے۔

ذہین دماغ اپنی نظر کی غِربال میں انسانوں کے خصائل کو چھانتا رہتا ہے اور ان کو مرتب کرنے کے بعد قبول صورت جامہ پہنا دیتا ہے۔ حضرت امیر خسرو نے بھی اسی طرح کے حقائق کو جمع کرنے کے بعد اپنے عہد کے ماحول کے اثرات کے ماتحت، اس فضا کے طریق اظہار کے مطابق انہیں زیبِ قرطاس کیا۔ نصیحت کا بیج کڑوا ہے، مگر اس کا پھل میٹھا۔ حضرت امیر خسرو نے اپنی زبان کی شیرینی

سے اس کڑواہٹ پر قابو پایا اور الفاظ کی مٹھاس ابتداء سے انتہا تک برابر کردی۔

ہر عہد میں ہم بدلتے رہتے ہیں۔ طریق کار، ذرائع عمل، وسائل تکمیل، سب میں تبدیلی ہوتی ہے مگر فلسفۂ نصیحت اور جوہر سخن وہی رہتا ہے۔ حضرت امیر خسرو کے زمانے میں نہ ہوائی جہاز تھے نہ ریڈیو۔ نہ بنک نہ ڈاک خانہ۔ نہ ریل گاڑی، اور نہ ہماری موجودہ رہائش جو ان تمام مادی ترقیوں پر مبنی ہے۔ اگر وہ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ اسراف بیجا نہ کرو اور روپیہ ضرورت کے لیے جمع کرو۔ تو یہی کہتے کہ روپے کی گرہ مضبوط باندھ کر رکھو۔ چونکہ گھر میں بحفاظت رکھنے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا، مگر آج ہم کہیں گے۔ بنک میں جمع کراؤ۔ کاروبار میں لگاؤ۔ زندگی کا بیمہ کراؤ۔ غرض سو طریقے ہیں کیفیت ایک ہے۔ مگر اس کا حصول مختلف طریقوں سے ہے۔ یہ زمانے کی رفتار کے ساتھ بدلتا رہتا ہے۔ حضرت امیر کی نصیحتوں کے جوہر کو آپ دیکھئے اور پھر ان کو موجودہ عہد کے ماحول میں بسا لیجئے۔ جوہر قائم رہے، طریق کار بدل جائے۔

اس کتاب میں تین تصاویر درج ہیں۔ ان کے لیے میں اپنے قدیم دوست محمد زمان خانصاحب بی۔اے جہلمی ثم دہلوی کا مشکور ہوں۔ انہوں نے میرے کہنے کے مطابق یہ فوٹو لیے اور نیگٹو ہمیشہ کے لیے تحفتاً مجھے دے دے۔ ان کی فنی قابلیت اور بڑھیا آلات

کے سبب یہ نتائج پیدا کرنا ممکن ہو سکا۔ تصاویر[1] سے یہ فائدہ ہے کہ بیان کہانی نہیں بلکہ حقیقت معلوم ہوتا ہے۔

تجسس میں گرمی اور منطق میں موشگافی پیدا کرنے کے لیے ان اوراق کی تحریر کے دوران میں اپنے فاضل دوست مولوی حاجی احمد صاحب پروفیسر ایس۔ ای کالج بہاولپور سے میں نے بعض مقامات پر بحث کی اس مشاورت کا ممنون مشکور۔

۷ مئی ۱۹۳۹ء

---

[1] متعلق تصاویر مزار حضرت امیر خسرو علیہ الرحمۃ الگ بحالات زندگی کے ساتھ شائع کی جائیں گی۔ (ناشر)

باب اوّل

حضرت امیر خسرو رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ دہلوی کی زندگی کے مختصر حالات

اگرچہ ہماری غرض یہاں اس نصیحت کا پیش کرنا ہے، جو حضرت امیر خسرو دہلوی نے اپنی بیٹی کے نام لکھی ہے، مگر الفاظ نصیحت سننے سے پہلے یہ جاننا ضروری ہے کہ خسرو تھے کون؟ یعنی یہ الفاظ ایک معمولی آدمی کی زبان سے نہیں نکلے بلکہ ایک جلیل القدر صاحب کمال متقی اور باعلم ہستی کے افکار کے نتائج ہیں مقرر جتنا بڑا ہوتا ہے۔ تقریر اتنی ہی دلنشین ہوتی ہے چونکہ میں یہ چاہتا ہوں کہ اس نصیحت کو آپ گوشِ دل سے سنیں۔ اس لیے ضروری ہے کہ دھیان دھرنے سے پہلے امیر خسرو کی عظمت کا صحیح اندازہ کر لیں۔

اس خیال سے کہ آپ بہت جلد دربار خسروی میں پہنچ جائیں اور یہ تمہیدی رسوم آپ کے فخر ملاقات حاصل کرنے

میں زحمت کا سبب نہ ہوں۔ میں اس تمہید کو مختصر، نہایت ہی مختصر بیان کروں گا۔

حضرت امیر خسرو دہلوی کی ذات ہزار صفات سے اگر کوئی فرد ہندوستان میں رہتے ہوئے بھی ناآشنا ہے تو وہ کسی طرح بھی صاحبِ ذوق کہلانے کا مستحق نہیں۔ جامع کمالات حضرت خسرو رحمۃ اللہ علیہ کے ظاہری و باطنی کمالات پر ہندوستان کو بجا طور پر فخر ہے یوں معلوم ہوتا ہے کہ ایک ذات میں کئی ہستیاں جمع تھیں اور ایک دماغ کئی دماغوں کا مجموعہ تھا۔ بظاہر یہ اس قدر حیرت انگیز معلوم دیتا ہے کہ انسان اس قلیل زندگی میں میں اتنے کام کیونکر کر سکتا ہے اور صرف ایک شخص کیسے بے شمار صفات کا مالک بن سکتا ہے؟؟

ولادت حضرت امیر خسرو بمقام پٹیالی عرف مومن پور ضلع اٹیہ کمشنری آگرہ ۶۵۲ھ (مطابق ۱۲۵۴ء) میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد سیف الدین ترکمانوں کے قبیلہ لاچین کے سرداروں میں سے ایک بزرگ تھے اور ماوراءالنہر سے ہندوستان آئے تھے۔ ہندوستان میں آکر اپنی ذہانت اور محنت کے سبب بہت بڑے سرکاری عہدے پر مامور ہوئے۔ ان کی والدہ ماجدہ عماد الملک کی بیٹی تھیں جو بادشاہِ ہندوستان، بلبن کے وزیر تھے اور دس ہزار فوج ان کے زیرِ کمان رہتی تھی۔

جب امیر خسرو کی عمر سات سال کی تھی تو ان کے والد کا انتقال ہو گیا اور آپ کی تعلیم و تربیت ان کے نانا نے اپنے ذمّہ لے لی۔ بیس سال کی عمر میں انہوں نے تمام دینی اور دُنیوی علوم حاصل کر لیے۔ اس کے بعد مختلف امیروں اور درباروں سے تعلق رہا۔ حضرت کی حیات میں دہلی کے تخت پر کئی بادشاہوں نے قدم رکھے اور زمانے نے کئی روپ بدلے مگر آپ کو ہر زمانہ میں عزت و احترام نصیب ہوا۔

محبوبِ الٰہی حضرت خواجہ نظام الدین صاحب اولیاء سے امیر خسرو کو بہت عقیدت تھی۔ وہ مرشدِ طریقت تھے اور یہ مریدِ باصفا۔ یہ تعلق تمام عمر رہا۔ اس کا اظہار امیر خسرو کے کلام سے اکثر ہوتا ہے۔ خواجہ صاحب آپ کو "ترک الٰہ" کہا کرتے تھے۔ اور کہتے تھے کہ "جب قیامت میں سوال ہوگا کہ نظام الدین کیا لایا ہے تو میں خسرو کو پیش کر دوں گا۔"

حضرت خواجہ نظام الدین نے جب اس دارِ فانی سے عالمِ جاودانی کو انتقال کیا تو امیر خسرو بنگال میں تھے۔ خبر سُنتے ہی سیدھے دہلی پہنچے۔ تمام مال و اسباب خدا کی راہ میں دے دیا اور خود ماتمی لباس پہن کر مرشد کی قبر پر بیٹھ گئے۔ دنیا سے قطع تعلق کر دیا اور وہیں کے ہو رہے۔

اس مفارقت کو بہت عرصہ برداشت نہ کر سکے۔ صرف چھ مہینے

کے بعد ۷۲۵ھ میں وصال ہوا۔ حضرت خواجہ محبوب الٰہی کی وصیت تھی کہ امیر خسروؒ کو میرے پہلو میں دفن کرنا۔ مگر خواجہ صاحبؒ کی پائنتی میں کچھ فاصلے پر دفن کیے گئے۔ امیر خسروؒ کا مزار دہلی میں حضرت خواجہ نظام الدین کی درگاہِ مبارک میں ہے اور خواجہ صاحب کے مزار کے جنوب کی طرف واقع ہے۔ اوپر ایک گنبد بنا ہوا ہے۔

جتنے لوگ اس درگاہ مبارک پر سرِ نیاز خم کرنے آتے ہیں ان کے لیے حکم ہے کہ پہلے امیر خسروؒ کے مزار پر فاتحہ پڑھیں اس کے بعد حضرت محبوب الٰہی کے مزار کی زیارت کریں۔ ہر سال دو عرس ہوتے ہیں ایک پیر کا یعنی خواجہ صاحب کا۔ دوسرا مرید کا یعنی حضرت امیر خسروؒ کا۔

امیر خسرو علیہ الرحمۃ کے محاسن و کمالات

اس وقت ہمیں دوسری باتوں سے غرض نہیں۔ صرف حضرت امیر خسروؒ کے کمالات کو مختصر طور پر ظاہر کرنا ہے۔ حضرت امیر خسروؒ کے نام کے ساتھ جو لفظ امیر لگا ہوا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اس زمانے میں اعلیٰ سرکاری عہدہ داروں کو اس لقب سے پکارا جاتا تھا جس طرح آج کابل میں عوام بڑے افسروں کو "سردار" کہتے ہیں۔ گویا امیر خسروؒ کی ساری عمر شاہی ملازمت میں گذری۔ حیثیت گو بدلتی رہی مگر عموماً آپ دربار میں ملازم خاص رہے اور وہاں بہت اہم فرائض مثلاً شاہی

فرامین کے اِنشاد اور احکام کے اجراء وغیرہ کا کام سرانجام دیتے رہے گویا سارا دن اسی ملازمت میں صرف ہوتا تھا۔ خسرو خود کہتے ہیں:

شب تا سحر، وز صبح تا شام ؛ در گوشۂ غم نگیرم آرام
باشم ز برائے نفسِ خودرائے ؛ پیشِ چو خودے ستادہ بر پائے

خسرو صرف صاحبِ قلم ہی نہ تھے بلکہ صاحبِ سیف بھی تھے۔ کئی مہمّات میں شامل ہوتے اور ان کو خوبی سے سرانجام دیا۔ آپ اس زمانے کے فنونِ حرب سے پورے طور پر باخبر تھے۔

خسرو عمیق فکر کے مالک تھے جس سے دقیق مسائل کے عیوب و محاسن میں تفریق ممکن ہے۔ خسرو کی فطری ذہانت اور نکتہ رس دماغ معاملات کی تہ کو فوراً پہنچ جاتا تھا۔ ہندوستان کے طول و عرض میں آپ کی قابلیت اظہر مِنَ الشمس تھی آپ بھارت ورش کے مہا ودوان اور گنوان پنڈت مشہور تھے۔ دُنیا کے لوگ اپنی اپنی اُلجھی ہوئی گتھیاں سُلجھانے کے لیے آپ کی خدمت میں لے آتے تھے اور حضرت صلاح و مشورہ سے ان کی اصلاح کرتے اور مصیبت زدوں کا بیڑا منجدھار سے نکال دیتے تھے۔ مختصر یہ کہ آپ مرجعِ خلائق تھے۔ خلقِ خدا کے کام روا کرنے میں توجہ اور وقت دینا ضروری ہوا۔

خسرو کا معنوی اور ظاہری تعلق اولیاء اللہ سے روزِ روشن کی طرح آئینہ ہے۔ صفائی قلب خسرو کا نصب العین رہی۔ ایسا پیر اور ایسا مرید۔ سبحان اللہ۔ خسرو نے تصوّف اور سلوک کے

کئی مراحل طے کیے۔ اس کے لیے اِستغراق اور توجہ کی ضرورت ہے۔
باطن کی صفائی کے لیے مذہب کی صحیح معنوں میں پیروی کرنا
اشد ضروری ہے۔ خسرو ہمیشہ رات کو تہجد پڑھا کرتے اور اس
کے بعد روزانہ آٹھ پاروں کی تلاوت کرتے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ
آپ تمام سال روزے رکھتے تھے۔ یعنی رمضان کے علاوہ بھی ہمیشہ
روزہ سے ہوتے تھے۔ چالیس سال تک برابر یہی عمل جاری رہا کس قدر
قوتِ ارادی ہے اور اپنے نفسِ امّارہ پر کتنا قابو ہے ؟ ؟

امیر خسرو اپنے زمانے کے بہت بڑے ماہر موسیقی تھے۔ اور
عوام نے اس بات کو تسلیم کیا تھا کہ اگر وہ ہندوستان کے
سب سے بڑے نہیں تو دو تین بڑے گوّیوں میں سے ایک ہیں۔
خدا نے آواز میں سوز اور کلام میں رس عطا کیا تھا ان کو قلب کی
صفائی نے جلا دی تھی اور محنت اور محبت نے صیقل کیا تھا۔
وہ حقیقت کی راگ ودیا کے ودوان تھے ان کے روحانی نغمے
عشق و محبت کی آگ سے لبریز ہیں۔ ان کی پریم جوت سے دھرتی
اور اکاش جگمگ جگمگ کرنے لگتے ہیں

علمی کمالات اب اگر ہم خسرو کے علمی کمالات کی طرف
رجوع کریں تو حضرتِ امیر علوم کا گنجینہ معلوم
ہوتے ہیں۔ مفصّل کیا مجمل بحث کی بھی یہاں گنجائش نہیں۔

خسرو چار زبانوں میں پوری مہارت رکھتے تھے۔ عربی اور سنسکرت

میں کمال حاصل تھا۔ یہ دونوں زبانیں وسیع بھی ہیں اور مشکل بھی۔ اپنے اپنے خاندان کی کئی زبانیں ان سے نکلتی ہیں۔ امیر خسرو کے والد ترک تھے اور ہندوستان میں نووارد۔ اس لیے ترکی ان کی مادری زبان تھی اور تازہ بھی تھی۔ فارسی جو اس وقت ہندوستان کی شاہی زبان تھی اس میں ان کی کئی تصانیف ہیں۔ بھاشا جو وقت کی مروّج زبان تھی۔ اس میں بھی حضرت کا بہت سا کلام موجود ہے۔ اگر بھاشا کو شامل کر لیا جائے تو پانچ زبانیں ہو جاتی ہیں جن کی تعلیم کو حضرت نے تکمیل تک پہنچا دیا تھا۔

عربی میں امیر کو اتنی ہی دسترس تھی جتنی کہ اس وقت کے کسی عالم کو حاصل ہو سکتی تھی۔ اس کے ساتھ سنسکرت کے پورے ودوان تھے۔ شاستروں پر عبور تھا۔ اسی سبب سے وہ بھاشا کے متبحر عالم تھے۔ خسرو کے قلم سے نکلے ہوئے بھاشا کے بہت سے دوہے اور کبت اب بھی پڑھے جاتے ہیں۔ کچھ پنجاب یونیورسٹی کے بھاشا کے انٹرمیڈیٹ کورس میں شامل ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ ان کا بھاشا کا کلام اتنا ہی ضخیم ہے جتنا فارسی کا ہے۔

فارسی زبان کی قابلیت کا یہ عالم ہے کہ اگرچہ امیر ہندی نژاد تھے مگر ایران میں کئی ہمعصروں نے اور بعد کے شعراء نے خسرو کے کلام سے استفادہ کرنے کا اعتراف کیا ہے۔ وہ معترف ہیں کہ کلامِ خسرو ان کے لیے شمعِ ہدایت ثابت ہوا۔ اس کے پڑھنے سے

ان کی رُوح میں ترنم اور سینے میں ہیجان پیدا ہوا۔ جس کے سبب ان کی مملکتِ شاعری میں ایک نیا باب کھل گیا اور ہندوستان کے فارسی گو شعراء میں تو خسُرو سب سے بڑے شاعر ہیں۔

خسُرو بہت بڑے مؤرّخ تھے۔ تاریخ دانی کے لحاظ سے ان کا درجہ بہت بلند ہے۔ مدلّل طرزِ تحریر، درباری معاملات سے پوری واقفیت اور نقطہ رس طبیعت ایسے جوہر ہیں جنہوں نے خسُرو کو اپنے ہمعصر تاریخ نویسوں میں ممتاز بنا دیا ہے۔

اب فارسی زبان کی تالیفات کو لیں تو نثر اور نظم دونوں میں خسُرو بادشاہ نظر آتے ہیں۔ خسُرو سب سے پہلے مصنّف ہیں جنہوں نے "اعجازِ خسُروی" لکھی۔ جو نثر نویسی کے اُصولوں پر ایک کتاب ہے۔ خزائن الفتوح سلطان علاؤالدین کی فتوحات کی تاریخ ہے اور کتاب مناقبِ ہند دہلی کی تاریخ سے متعلق ہے۔

نظم میں اس قدر تصانیف ہیں کہ ان کو شمار کرنے کے لیے بھی وقت چاہیے۔ اشعار کی تعداد چار اور پانچ لاکھ کے درمیان ہے۔ خسُرو ہر میدان میں نظر آتے ہیں۔ مثنوی۔ غزل۔ قصیدہ وغیرہ اور ہر جگہ بادشاہ ہیں۔

اس کے علاوہ کئی چیستان، پہیلیاں، واحد باری، خالق باری اور کئی قسموں کی صنعتیں امیر خسُرو کے قلم کی ممنونِ احسان ہیں۔ امیر خسُرو کی کل تصانیف کی تعداد ۹۲ بتائی جاتی ہے خسُرو

کو فطرت نے ایسا ہمہ گیر دماغ ودیعت کیا تھا کہ جس میدان میں قدم رکھتے ہیں وہاں پیشوا اور سرکردہ نظر آتے ہیں۔ ہر جگہ ممتاز ہیں۔
اب ذرا منظومات پر نگاہ کریں تو ان کو تین حصّوں پر منقسم کیا جا سکتا ہے :۔

(۱) **مختلف منظومات** : مثلاً پہیلیاں۔ رباعیات پیشہ وران۔ واحد باری۔ خالق باری وغیرہ۔

(۲) **غزلیات کے پانچ دیوان** : ان میں سے ہر ایک دیوان میں وہ کلام درج ہے جو حضرت نے عمر کے ایک خاص حصّے میں لکھا۔ غزلیات کے علاوہ بعض میں قصائد بھی ہیں۔

(۱) دیوان تحفۃ الصغر۔ سب سے پہلا دیوان اس میں ۱۶ سال کی عمر سے ۱۹ سال تک کا کلام درج ہے۔

(۲) دیوان وسط الحیات : ۲۰ سال سے لے کر ۳۴ سال تک کی عمر کا کلام۔

(۳) غرۃ الکمال : امیر کی عمر ۶۸۵ھ میں ۳۴ برس تھی۔ یہ ۶۸۵ھ سے لے کر ۶۹۵ھ تک کے کلام کا مجموعہ ہے۔

(۴) بقیہ نقیہ : بڑھاپے کا کلام۔ جو ۷۱۵ھ تک کا ہے۔

(۵) نہایۃ الکمال : آخری دیوان۔ ۷۲۵ھ تک کا یعنی جب حضرت کی وفات ہوئی۔

(۳) **مثنویاں** : (الف) تاریخی مثنویاں : (۱) قران السعدین

(۲) مفتاح الفتوح (۳) دیوان رانی خضر خان (۴) نہ سپہر۔
(۵) تغلق نامہ۔

(ب) عشقیہ مثنویاں :۔ (۱) مطلع الانوار (۲) شیریں خسرو۔
(۳) آئینہ سکندری (۴) مجنوں لیلیٰ۔

⑤ **ہشت بہشت** : یہی آخری عشقیہ مثنوی ہشت بہشت ہے جس میں "خطاب بہ دختر" یعنی بیٹی کے نام نصیحت درج ہے، جوکہ اس وقت ہمارے پیش نظر ہے۔ ہشت بہشت خسرو کی آخری مثنوی ہے اور پچاس برس کی عمر کے بعد تصنیف کی گئی تھی۔ مثنوی نویسوں کا قاعدہ ہے کہ مثنوی کا اصل مضمون شروع کرنے سے پہلے بطور دیباچہ کچھ ضرور لکھا کرتے تھے۔ مثلاً حمد، نعت، خطاب بہ سلطانِ وقت و پیرِ طریقت وغیرہ۔ ان سب کو باری باری ابتدا میں یعنی مثنوی کے اصل قصہ کو شروع کرنے سے پہلے منظوم کیا جاتا ہے۔ ان میں ایک نصیحت کا باب بھی ہوتا ہے۔

جو باتیں کہ بادشاہ امراء اور عوام کو صاف صاف نہیں کہی جا سکتیں کیونکہ نصیحت اور سچائی ہمیشہ کڑوی ہوتی ہے۔ اس کے لیے یہ نیا طریقہ نکالا تھا کہ نظم میں سب کچھ کہہ جاتے تھے اور یہ نصیحت سب کے کانوں تک پہنچ جاتی تھی۔ بلکہ آئندہ نسلوں کے لیے بھی کام آتی تھی۔ اسی طرح سے "خطاب بہ فرزند" کے نام سے وطن کے

نوجوانوں کو نصیحت کرتے تھے۔ ظاہر تو یہ کیا جاتا تھا یعنی مثنوی میں تو یہ لکھتے تھے کہ اپنے کم عمر بیٹے سے خطاب ہے کہ تمہیں کیا کرنا چاہیے اور کیا نہ کرنا چاہیے، لیکن غرض یہ ہوتی تھی کہ وطن کے نوخیز دماغوں کے سامنے ایک لائحہ عمل پیش کیا جائے یا یوں سمجھ لو کہ وہ خاکِ مالوف کے بچوں کو اپنی اولادِ معنوی ہی سمجھتے تھے۔

خسرو کی ہمہ گیر طبیعت نے اس میں بھی جدّت پیدا کی اور بیٹے کی بجائے بیٹی سے خطاب کیا۔ بات گو بہت دقیق اور مشکل تھی مگر دربارِ خسروی کی افواجِ اشعار نے کون سی مملکتِ نظم و نصیحت ہے جو فتح نہ کر لی ہو۔ معاملہ جس قدر اہم تھا اسی قدر معنی خیز بھی تھا۔ بیٹی کو کچھ کہتے ہوئے آدمی شرماتا ہے۔ اسی سبب سے یہ فرض کر لیا ہے کہ بچی ابھی بہت چھوٹی ہے۔ نصیحت اس طرح سے کی ہے کہ جب بڑی ہو جائے تو اُسے کیا کرنا چاہیے اور زندگی کس طرح سے کاٹنی چاہیے۔ غرض ایک ہی ہے کہ جوان شدہ لڑکیاں پڑھیں اور اس سے استفادہ کریں۔ آخر ایک کم سن بچی اس کو کیا سمجھ سکتی ہے۔ یہ تو ایک طریقِ گفتگو ہے۔

اب ذرا آپ ہی انصاف فرمائیے کہ ان کمالات کے ساتھ کیا خسرو نادرِ روزگار، بدیع الزمان اور دُنیائے فضل و کمال کے روشن آفتاب نہیں معلوم ہوتے؟ حیرت ہوتی ہے کہ اتنے کمالات کا مجموعہ اور ایک انسان۔ مختلف مضامین اور زبانوں

میں اتنی کتابوں کا مصنّف اور ایک فردِ واحد ؟ ؟ سچ یہ ہے کہ ہندوستان نے گذشتہ چھ سو سال کے عرصہ میں شاید ہی اور کوئی ایسا صاحبِ کمال پیدا کیا ہو۔ میں یہ بھی آپ کو صاف کہہ دوں کہ خسرو ہندوستان کے سب سے بڑے فارسی گو شاعر ہیں۔ بلاشبہ خسرو کی قلمروِ سخن کا سکّہ سب پر جما ہوا ہے۔ اگر آپ کو "خسروِ سخن" کے لقب سے ملقب کیا جائے تو بے محل نہ ہوگا۔ فارسی زبان کا خسرو سے بڑا شاعر ہندوستان میں آج تک پیدا نہیں ہوا۔ اور اب کیا ہوگا۔ وہ چمن نہ رہا۔ وہ باغبانِ بہار بوستان کے ساتھ قضا کی نذر ہو گیا۔ اس گلستان کی خاک کا ذرّہ ذرّہ بادِ خزاں سے پریشان ہو کر بکھر گیا اور پھر اسی مٹی سے زمانے کے تصادم نے نئے رنگ میں کوہ و دشت بنا دیئے۔ اب کس بنا پر اُمید کا قصر تیار کریں اور کس خیال میں ہوائی قلعے بناتے رہیں۔

ے اے مصحفی کیا رووں میں اگلی محفلوں کو
بن بن کے کھیل ایسے لاکھوں بگڑ گئے ہیں (مصحفی)

اور پھر ے رہی نہ طاقتِ گفتار اور اگر ہو بھی
تو کس اُمید پہ کہیے کہ آرزو کیا ہے (غالب)

ایسے گوہرِ گراں مایہ کی ذات پر ہندوستان کو بجا فخر ہے۔ کرۂ خاکی اس بات پر نازاں ہے کہ آخر خسرو جیسا ایک انسانِ کامل تو اس کے عناصر سے مرتب ہو کر منبرِ علم و حکمت کو زینت دے سکا۔

افلاک وانجم اس بات سے خوش ہیں کہ خسرو کی ذات ان
روحانی اسرار کے حل کرنے میں کامیاب ہوئی جو عالمِ بالا سے
زمین والوں کو پہنچتے ہیں۔ قادرِ مطلق، ربّ ذوالجلال اس سبب
سے مطمئن ہیں کہ ایک مخلوق نے خالق کی صفات کا مظاہرہ کیا اور
ماسوا کو وجودِ مطلق کی ذات بلکہ اپنی "ذات" پہچاننے کا موقع دیا۔
مفصل لکھنے کا نہ موقع ہے اور نہ فرصت۔ اس مختصر سی
تمہید سے غرض صرف یہ ہے کہ خسرو کا رُتبہ مناسب طور پر
آپ کے ذہن نشین ہو جائے۔ آپ یہ سمجھ لیں کہ کتنا بڑا آدمی
بیٹی کو نصیحت کر رہا ہے۔ کس باپ اور ماں کا بیٹا۔ کس وسعتِ
نظر کا مالک۔ کن کمالاتِ دینی و دنیوی کا مجموعہ۔ کس پایہ کا
صوفی۔ اور کس قدر سچا اور راسخ الاعتقاد انسان اپنی بیٹی
کو مخاطب کرتا ہے۔ اور اس کو آئندہ زندگی میں کامیاب ہونے
کے لیے چند الفاظ بطور نصیحت کہتا ہے :-

باب دوم

منظوم کلام

حضرت امیر خسرو دہلوی کی نصیحت بیٹی کے نام

(۱) گرچہ خُردی کنُونے بے تمیز

اے بیٹی! اگرچہ اس وقت تو کم سن اور نافہم ہے

روزے آخر بزرگ گردی نیز

آخر تو ایک دن بڑی عمر کی بھی تو ہو جائے گی۔

(۲) تا بود در بزرگیت دستور

تاکہ جوان ہونے کے بعد یہ تیرا دستور العمل بنیں

خُردہ چند گویمت مستور

میں چند باریک نکتے باتوں میں پنہاں تمہیں کہتا ہوں

تشریح الفاظ: آخر۔ پچھلا۔ ضد ہے اوّل کی۔ آخر دوسرا۔ تمیز اصل میں یہ لفظ تمییز تھا۔ یعنی جدا کرنا حق و باطل، غلط اور درست کا فرق معلوم کرنیکی قوت۔ فارسی والوں نے ایک ی اُڑادی تمیز بنا دیا:

عِصمت

(۳) از عروسی شوی چو در خورِ تخت
جب شادی ہونے پر تو عزت کے قابل بنے
عِصمتت خواہم اوّل آنگہ بخت
تو میں پہلے تیری عصمت اور پھر خوش بختی کیلئے دعا کرتا ہوں

عبادت

(۴) از منت آنکہ اوّلیں پنداست
سب سے پہلی نصیحت جو کہ میری طرف سے تیرے لیے ہے
جہد بر طاعتِ خداونداست
یہ ہے کہ خدا کی عبادت میں کوشاں رہنا

(۵) تا توانی خدا پرستی کن
جہاں تک ہوسکے خدا کی عبادت میں مصروف رہو
وز نیازِ خدائے مستی کن
اور خدا سے محبت کا اظہار کرکے سرمست رہو

تشریح الفاظ: نیاز: نیاز کئی معنوں میں مستعمل ہے (بقیہ حاشیہ بر صفحہ آئندہ)

(۶) بایدت ہمچو دیدہ عزت و تاب

اگر تجھے آنکھ کی مانند عزت اور نور کی ضرورت ہے

باش چون چشم خویش در محراب

تو اپنی آنکھ کی طرح محراب میں بیٹھ (کر عبادت کر)

پرہیزگاری

(خیالاتِ فاسد سے گریز)

(۷) نیک نامی طلب کنی در پوست

اگر نیک نامی چاہتی ہو تو وہ میانہ روی میں ہے (تُو میانہ روی — متوسط چال)

پارسا باش، پارسائی دوست

پرہیزگار رہو اور پرہیزگاری سے محبت رکھو

(۸) گیر مَنت سِلک گوہرے نہ بُوَد

میں یہ مانتا ہوں کہ تیرے پاس جواہرات کی لڑیاں نہیں ہیں

بہ ز تسبیح زیورے نہ بُوَد

مگر تسبیح سے بہتر کوئی زیور نہیں ہے

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) حاجت۔ خواہش۔ اظہارِ محبت۔ مستی کن = ایرانی محاورہ ہے بہت خوش ہونا۔ آپے سے باہر ہونا۔ بے خود ہو جانا (حاشیہ صفحہ موجودہ) اطہر المیاہ = ماء المطر (تمام پانیوں میں سے پاک تر بارش کا پانی ہے) (بقیہ حاشیہ بر صفحہ آئندہ)

⑨ پاک تن باش ہمچو آب سپہر[1]

آسمان کے نور کی طرح سے پاک تن رہو یا آسمان کے پانی
بارش کی طرح سے پاک تن رہو۔

بلکہ پاکیزہ تر ز چشمۂ مہر

بلکہ سورج سے بھی زیادہ پاکیزہ

⑩ تا شوی ہمچو مہر در ہر سو

تاکہ تو سورج کی طرح ہر جانب

از پس چار پردہ روشن رو[2]

چار پردوں کے پیچھے سے نورانی چہرے والی بنے (دکھائی دے)

⑪ کوش کز کشتن جوانی خویش

یہ کوشش کر کہ اپنی جوانی کی خواہشات کو مارنے سے

مردہ باشی بزندگانی خویش

اپنی زندگی میں ان خواہشات کے لحاظ سے مردہ ہو جائے

موتوا قبل ان تموتوا (مرنے سے پہلے مرجاؤ)

---

[1] آب۔ آب و تاب۔ نور چمک۔ آبرو۔ خوبی۔ قیمت اور آب کے معنی پانی (بارش کا پانی بہت صاف سمجھا جاتا ہے)

[2] یعنی پاک تن اور عصمت مآب ہونے سے تو روشن چہرہ والی ہو گی۔

(۱۲) تا مرا از زندگانیِ تو بہ راز

تاکہ میں تیری زندگی کے ذریعہ سے پنہاں طور پر

از پسِ مرگ زندہ گردم باز

اپنی موت کے بعد پھر زندہ ہو جاؤں

(۱۳) زنے چناں بہ کہ مَردِ رُوئے بوَد

عورت یوں بہتر ہے کہ اس میں مرد کی خوبیاں ہوں

تا زَنان را بہ پَردہ شُوئے بوَد

تاکہ دوسری عورتوں کو پردہ میں وہ خاوند کی طرح ہدایت کرے

(۱۴) زَنے اگر مَرد، مَردِ تدبیر است

عورت اگر مرد کی طرح ہے۔ مرد بھی وہ جو صاحبِ تدبیر ہو

سوزَن و دُوک نیزہ و تیر است

تو سوئی اور تکلہ اس کے نیزہ اور تیر ہیں

یا اگر عورت سوئی اور تکلے کا کام کرے تو وہ مرد صاحبِ تدبیر ہے۔

(۱۵) گرچہ زر باشدت فراخ نہ تنگ
اگرچہ تیرے پاس دولت کی فراوانی ہو اور اسکی کمی نہ ہو
تا نداری ز دوک وسوزن ننگ
دیکھنا سوئی اور تکلے سے عار نہ کرنا

(۱۶) دوک وسوزن گذاشتن نہ فن است
تکلہ اور سوئی کا چھوڑ دینا کوئی ہنر کی بات نہیں ہے
کآلتِ پردہ پوشیٔ بدن است
کیونکہ یہ بدن ڈھانکنے کا ذریعہ ہیں

ستر

(۱۷) پا بدامانِ عافیت درکش
اپنے پاؤں کو عافیت کے دامن کے اندر کھینچ: یعنی اپنا منہ
رُو بدیوار و پُشت بردر کش
دیوار کیطرف اور پیٹھ دروازے کیطرف کر (تو عافیت میں رہنا چاہتی ہے تو اسکا طریقہ یہ ہے کہ ستر میں رہے)

(۱۸) راہِ در کم کن از درونِ سرائے
گھر میں سے دروازے کی طرف کم جاؤ
در مثل خضر در زند مکُشائے
اور اگر کوئی خضر جیسا بھی دروازہ کھٹکھٹائے تو مت کھولو

(۱۹) تا سرت از شرف بماہ شود
تاکہ تیرا سر بزرگی کے سبب چاند تک پہنچ جائے
مقنعت[۱] افسر و کلاہ شود
تیرا دوپٹہ تاج اور ٹوپی بن جائے یعنی تیری عزت ہو

(۲۰) زن کہ از شرم خو کند بسرا
وہ عورت جو کہ شرم کے سبب گھر کے اندر رہنے کی عادت بنا لیتی ہے
ستر ہائی ستار ہا قمرا
اس کا اپنی پردہ کرنے والی چیز میں چھپنا، اسے چاند کیطرح بنا دیتا ہے

(۲۱) گوشہ گیراں ستودہ نام بوند
گوشہ میں رہنے والوں کا نام تعریف سے لیا جاتا ہے
کوچہ گرداں فراخ گام بوند
گلیوں میں پھرنے والے آوارہ گرد ہوتے ہیں

(۲۲) زنے کہ در کوچہ ہا بتگ باشد
وہ عورت جو گلیوں میں بھاگتی پھرتی ہے
زنے نباشد کہ مادہ سگ باشد
عورت نہیں بلکہ کتیا ہے

تشریح الفاظ: [۱] مقنعہ = اوڑھنی۔ دوپٹہ ؛

Marfat.com

(۲۳) کم دَوَدْ مادہ شیرِ خُون آشام
خون پینے والی شیرنی کم بھاگتی ہے
گُرْبَہ باشَد جہندہ بام ببام
بلّی کوٹھے کوٹھے کُودتی پھرتی ہے

(۲۴) کَبْکِ پنہاں خرام را بَوَطَن
پردہ میں خرامِ ناز سے چلنے والے چکور کے لیے وطن میں
حُجْرَہ باید چو بَیضَہ بے رَوْزَن
انڈے کی مانند بغیر سوراخ کے کمرہ چاہیے

(۲۵) زَن کہ در رَوزَنَش شتاب بُوَد
وہ عورت جو کہ جھروکے میں سے جھانکنے کی جلدی کرے
بَرْ فُتَد گرچہ آفتاب بُوَد[۱]
نیچے گر جاتی ہے۔ اگرچہ سورج ہی ہو

(۲۶) رَوْزَن ارخود چو چشم سوزَنِ تُسْت
جھروکہ اگرچہ تیری سوئی کے ناکے کی طرح (چھوٹا) ہے
دال کہ راہ بروں شُد تنِ تست
مگر یہ سمجھ کہ تمہارے جسم کے گذرنے کے لیے کافی (بڑا) راستہ ہے۔
یعنی اسی راستے سے تیری آبرو باہر جائے گی اور تو رُسوا ہو گی۔

---

[۱] آفتاب کے معنی دھوپ کے بھی ہیں۔ یہ ظاہر ہے کہ جب کبھی دھوپ کی کرنیں جھروکے میں سے گذرتی ہیں تو وہ زمین پر گرتی ہیں۔ یعنی ذلیل و خوار ہو جاتی ہیں۔

(۲۷) در تماشائے روزنت ہوس است

تیرے روزن میں سے، باہر دیکھنے میں ہوس کا شائبہ ہے

روزنت چشم سوزن تو بس است

تیرے لیے سوئی کا ناکہ ہی بطور جھروکہ کے کافی ہے۔

یعنی تو سینے پرونے میں مصروف رہ اور سوئی کے ناکہ میں سے دھاگہ ڈالنے کیلئے دیکھا کر۔

عِزّت اور وقار

(۲۸) پُر گہُر بایدت خزانۂ خویش

اگر تجھے اپنا خزانہ موتیوں سے بھرا ہوا چاہیے

باش باسنگِ خود بخانۂ خویش

تو اپنے مکان کے اندر عزت و وقار سے رہو۔

(۲۹) گرچہ گوہر ز سنگ[1] نیک تر است

اگرچہ موتی پتھر سے خوب تر ہے

سنگِ مردم نکوتر از گہُر است

لیکن انسانوں کی عزت اور وقار موتی سے بہتر ہے۔

تشریح الالفاظ: [1] سنگ سے مطلب بھاری چیز، پتھر۔
یہاں غرض وقار اور عزت ہے

حفاظتِ نفس

(۳۰) نفسِ مردم چو یاوه گرد بود
کیونکہ بشر کا نفسِ امّارہ بیہودگیوں میں مبتلا رہتا ہے
مردم۔ انسان، بشر، واحد اور جمع دونوں معنی دے سکتا ہے۔
نیک زن بہ ز نیک مرد بود
نیک عورت نیک مرد سے بہتر ہے

(۳۱) مردِ کردارِ خوب را سبب است
(صالح) مرد سے نیک عمل ظہور میں آتے ہیں
خوب کرداری از زنان عجب است
عورتوں سے نیک عمل باعثِ تحسین ہے

بیہودہ راگ رنگ

(۳۲) تلخ گویند ار چہ نوش لبان
میٹھی بات کرنے والے (ناصح) کی نصیحت تلخ ہے۔ اس کوشش
تا نگیری ترنم جلبان
مگر خبردار! فاحشہ عورتوں کے ترنم (راگ رنگ) پر کان نہ لگا

۳۳ بادپیچ و دفے کہ لعبِ زن است

جھولا اور ڈفلی جو عورت کے کھیل سمجھے جاتے ہیں

بروئے ایں چنبر است آں رسن است

عورت کے لیے یہ حلقہ طوق ہے اور وہ رسی

یعنی عورت ان میں گرفتار ہو کر بندھ جاتی ہے۔

۳۴ دفِ شاں بے ہراسِ دشمن و دوست

ان کی (عورتوں) ڈفلی دوست دشمن، کسی سے نہ ڈرتے ہوئے

فتنہ را بانگ می کند در پوست[1]

چمڑے (کے پردے) کے اندر سے فتنہ کو آواز دیتی ہے یعنی دعوت ہے۔

۳۵ آنکہ اوّل سرود سادہ بود

شروع میں تو گانا سادہ سا ہوتا ہے۔

در نہایت صلائے بادہ بود

مگر آخر کار شراب کی دعوت کے لیے آواز ہوتی ہے (یعنی اس

سادہ سے آغاز سے رفتہ رفتہ بُرے انجام پیدا ہوتے ہیں)

لہ پوست: دف پر باریک چمڑا منڈھا ہوا ہوتا ہے جسے پردہ کہتے ہیں۔

(۳۶) ذات بے جُفت باید ت بنہفت
خلوت میں چاہیے کہ تو سب سے الگ رہے
باہمہ طاق باش جُز باجُفت
سوائے خاوند کے سب سے علیحدہ رہے

(۳۷) بُوف باحلال یاری کُن
اپنے خاوند کے ساتھ وفا کرنے میں مستعد رہو
نعمتش را حلال خواری کُن
جو نعمتیں تجھے خاوند سے ملیں انہیں حلال (جائز) کر کے
کھاؤ (یعنی اس سے بے وفائی نہ کرو)

امانت داری

(۳۸) از عرُوساں خزینہ داری بہ
بیبیوں کیلئے خزانہ دار بننا بہتر ہے (یعنی امانت میں خیانت نہیں کرنی
راست گوئی و راستکاری بہ
چاہیے) سچ کہنا اور نیک کام کرنا اچھا ہے۔

تشریح الفاظ: شرعاً حلال خواری یعنی عورت کا خاوند اور دیگر امور جو شرع نے حلال قرار
دیئے ہیں حقیقتاً کس قدر شرمناک بات ہے کہ جس واسطے سے (بقیہ حاشیہ بر صفحہ آئندہ)

(۳۹) خازنے کو بدزدی آرزد روئے

وہ خزانہ دار جو چوری کی طرف رغبت کرتا ہے

دُزد گویش خزانہ دار مگوئے

اس کو چور کہنا چاہیے نہ کہ خزانہ دار

کفایت شعاری

(۴۰) مرد اگر یک قراضہ کار کند

مرد اگر بچت کرنے کا ایک کام کرتا ہے

زن بکد بانوی ہزار کند

تو عورت گھر کی بیگم ہونے کی حیثیت سے ہزار ایسا کام کرتی ہے

(۴۱) چون ز شوخرج زن فزون باشد

جب خاوند سے بیوی کا خرچ زیادہ ہے

حال سامان خانہ چون باشد؟

تو گھر کے سامان کا کیا حال ہو گا؟

یعنی بہت اُبتر حالت ہو گی۔

(حاشیہ صفحہ سابقہ) اتنی نعمتیں میسّر ہیں اسی سے دعا کیا جائے (حاشیہ صفحہ موجودہ) قراضہ: سیم وزر کا چھوٹا سا ٹکڑا۔ قراضہ کار: بچت کا کام ؛

سخاوت

(۴۲) ہر زنے کز سخاوتش فردی ست

ہر وہ عورت جو کہ سخاوت کے سبب یکتا ہے

نا جوانے مرد لیش جوانے مردی ست

عورت ہوتے ہوئے اس کی یہ بہادری جوانمردی کے برابر ہے

بیجا زیب وزینت

(۴۲) دل نگہبانے رخت باید داشت

اپنے دل کو لباس کا نگہبان بناؤ

گرہِ خویش سخت باید داشت

اپنے پیسوں کی گرہ کو مضبوط باندھ کر رکھو۔

فضول قیمتی کپڑے مت خریدو۔ اس طرح روپیہ بے جا صرف کرو۔

(۴۳) در زنے آرد دو فتنہ رسوائی

دو فتنے عورت کے لیے رسوائی پیدا کرتے ہیں

سیم پاشی و دیگر آرائی

فضول اسرافِ زر اور بیکار جسمانی زینت

(حاشیہ بر صفحہ آئندہ)

۴۵ گرہِ نقد را چو داری سُست
اگر تم اپنی نقدی کی گانٹھ کو ڈھیلا رکھو گی
دَست از آبرو بباید شُست
تو اپنی عزت سے بھی ہاتھ دھو بیٹھو
جب اسراف بے جا ہو گا تو بے زری کے سبب عزت
بھی تھوڑے عرصے میں جاتی رہے گی۔

۴۶ بس عُرُوساں کہ فِتنہ جُوئے شُدُند
بہت سی بیبیوں نے اپنے لیے خود فساد تلاش کر لیا
اَز سفیدہ سیاہ رُوئے شُدند
یعنی مُنہ پر پوڈر ملنے سے وہ بدنام ہوگئیں

۴۷ سُرخیِ بَد زِ رُو بباید شُست
غازہ کی بُری سُرخی کو چہرے سے دھو ڈالنا چاہیے
سُرخیِ رُوت سُرخ رُوئیِ تست
تیرے چہرے کی (قدرتی) سرخی تیری نیک نامی ہے
سرخرو ہونا: کسی نیک کام کے سبب نیک نام پیدا کرنا۔

(حاشیہ صفحہ سابقہ) اگر دَرزَن کو ایک لفظ سمجھا جائے تو اس کے معنی سوئی اور خیاط دونوں۔ گویا درزی یا سوئی سے دور رہو اگر نہ والے فتنے پیدا ہوتے ہیں مگر اس سے دَرزَن سمجھا جائے تو بہتر ہے۔ عورت میں یا عورت کے لیے ؛

غازہ اور پوڈر لگانے کی نسبت نیک عمل کہیں زیادہ مفید ہے۔ جتنا وقت بیکار بناؤ سنگار میں صرف کیا جاتا ہے۔ وہ کسی عمل صالح میں لگانا چاہیے۔

(۴۸) چوں شدی بہرِ ہفت و نُہ در رنج

جب تو سولہ سنگار کرنے کے لیے ہر وقت پریشان رہے گی

نقدِ عصمت فتاد در شش و پنج

تو تیری عصمت کا گوہر خطرے میں پڑ جائے گا

ہفت:۔ سرمہ[۱]۔ وسمہ[۲]۔ نگار[۳]۔ غازہ[۴]۔ سفید آب[۵]۔ زرک[۶]۔ خال[۷]۔ یہ سب عورتوں کی زیب و زینت و آرائش کے سنگار ہیں۔

نُہ:۔ سر آویزہ[۱]۔ گوشوارہ[۲]۔ سلسلہ[۳]۔ حلقۂ بینی[۴]۔ گلوبند[۵]۔ بازوبند[۶]۔ دست برنجن[۷]۔ انگشتر[۸]۔ خلخال[۹]۔ یہ سب زیورات اور آرائش میں اضافہ کرنے کے سامان ہیں۔

(۴۹) خالِ شبرنگ کز فساد کشی ست

وہ سیاہ خال جس کا چہرے پر لگانے کا سبب فساد کشی (برائیاں) ہو

ہمچو خالِ سفید بر حبشی ست

اس سفید خال کی طرح ہے جو حبشی کے چہرے پر ہو۔

تشریح الفاظ: حبشی کے سیاہ بدن پر سفید خال بدنما معلوم دیتا ہے۔ تو یہ سیاہ خال اگرچہ دیکھنے میں بھلا ہے مگر برائی کے اس کو وجود

(بقیہ حاشیہ بر صفحہ آئندہ)

(۵۰) خال چوں نقطۂ گیاہ شود

خال گھاس کے تنکے کی طرح ہوتا ہے۔

ہم بیک نقطۂ رُو سیاہ شود

تو تھوڑی سی بات سے روسیاہ بھی ہو جاتا ہے۔

(۵۱) خالِ بد بر رُخ است داغِ ہلاک

بُرا خال چہرے کے اوپر ہلاکت کا نشان ہے

خال بر جبہۂ زِ سجدۂ پاک

اپنی پیشانی پر سجدۂ پاک (خدا کی عبادت) سے خال پیدا کر د

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابق) میں لانے یا اس کے بُرائی کی نیت سے وجود میں آنے کے سبب حبشی کے سفید خال کی طرح بدنما ہے۔ عورتیں خوبصورتی بڑھانے کے لیے مصنوعی سیاہ خال چہرے پر لگاتی ہیں۔ مطلب یہ کہ کسی بُرائی کی نیت نے عورت کو اگر یہ خال چہرے پہ لگانے کی ترغیب دی۔ (حاشیہ صفحہ موجودہ) رُوسیاہ: جس کا مُنہ کالا ہو۔ گنہگار۔ ذلیل حقیر۔ بے عزت: گیاہ: بے قدر و قیمت چیز۔ گھاس: نقطۂ گیاہ: گھاس کا تنکا: گیاہ شدن: بے قدر ہونا: خال ہوتا ہی روسیاہ ہے۔ گیاہ (گھاس) جب جلتا ہے تو روسیاہ ہو جاتا ہے۔ پھر اس کے ساتھ یہ کہ، گیاہ کے نیچے کے دو نقطے ہٹا کے اوپر ایک نقطہ لگایا تو وہ گناہ بن گیا اور روسیاہ ہو گیا۔ گویا ایک نقطے سے گیاہ گناہ بن جاتا ہے۔ (شعر صاف نہیں ہوا)

(۵۲) اگر آئینہ باید ت در پیش

اگر تمہیں سامنے آئینہ رکھنے کی ضرورت ہے

پیش نہ آئینہ ز زانوئے خویش

تو اپنے زانو کو آئینہ بنا کر سامنے رکھو

یعنی مراقبہ میں رہو۔ جب بیٹھ کر سر گھٹنوں پر رکھتے ہیں تو کہا جاتا ہے کہ زانو آئینہ بن گیا۔ غرض یہ کہ پروردگار کی درگاہ میں سجدہ کرو۔ بناؤ سنگار کرنے کی بجائے عبادت میں مصروف رہو۔

(۵۳) وگرت شانہ باید اندر مُشت

اگر تجھے ہاتھ میں کنگھی لینے کی خواہش ہے (سنگار کے لیے)

شانہ مُشت کُن ز شانہ پُشت

تو اپنی ریڑھ کی ہڈی کو اس طرح خم دے جیسے بندھی ہوئی مٹھی کی گٹھوں کو ہوتا ہے یعنی سجدہ کر (مٹھی کی گٹھوں اور خمیدہ کمر کے مہروں میں مشابہت ظاہر ہے۔ یعنی بناؤ سنگار کی بجائے عبادت کرو)

زینت کی اجازت

(۵۴) این ہمہ فتنہ ہا کہ ہست وبال

یہ تمام فساد جو کہ وبالِ جان ہیں

بارضائے حلال ہست حلال

خاوندکی مرضی اگر ہو تو سب حلال ہیں
یا یہ کہ اگر نیک اور صالح ارادوں سے کئے جائیں تو جائز
ہیں اگرچہ فتنہ و فساد ہیں۔

خُدا کا خوف

(۵۵) دَر حلالِ تو ہَست بے پرہیز
اور اگر تیرا شوہر پرہیزگار نہیں ہے
دَر حَرَمِ خانۂ خدائے گریز
تو خدا کے پاک گھر میں جاکر پناہ لے
اگر شوہر اس قابل نہیں کہ اس کے احکام کی پابندی کی جائے تو خدا کے احکام پر ہمیشہ عمل کرو۔ اگر وہ ناقابل ہے۔ تو خدا تو قابلیت رکھتا ہے۔ اگر شوہر نہیں دیکھتا تو خدا تو ہر وقت دیکھتا ہے۔

(۵۶) دَر ہمہ کاروبار دَر ہمہ جا
سب کاروبار میں اور ہر جگہ پر
مُشرفِ حالِ خود شناس خُدا
خُدا کو اپنے حال کا نگران سمجھ

خاتمہ

(۵۷) گر خدایت کند بعصمت شاد

جب خدا تمہیں عصمت کے ساتھ خوش و خرم رکھے

بدعائے کنی ز خسرو یاد

تو خسرو کو دعا سے یاد کرنا

(۵۸) آنچہ من دیدمت صلاح در آں

میں نے جس بات میں تیری بھلائی دیکھی

کردمت، پردہ پوشی پدر آں

وہی کہی۔ جس سے تو والد کی پردہ پوشی کا باعث ہو گی

اگر تو ان نیک اعمال پر عمل پیرا ہو گی تو والدین اور خاندان کی عزت میں اضافہ کا سبب ہو گی۔

(۵۹) و آنچہ موقوف جہد کردن تست

اور جو کچھ تیری کوشش پر منحصر ہے

تو کن آنرا کہ آں بگردن تست

تو اسے کر، کیونکہ وہ تیرے ذمہ ہے۔

(۶۰) یا رَبْ تُ رہ سُوئے رہائی بادْ

اسے بیٹی! اللہ تعالیٰ کرے کہ تیرا راستہ بُرے کاموں سے رہائی کی جانب ہو۔

یار ہا نِشُدہ آشنائی بادْ

اور تیری محبت ان کے ساتھ ہو جو تجھے بُرے کاموں سے نجات دلائیں۔

فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ ۙ وَنَجَّيْنٰهُ مِنَ الْغَمِّ ؕ وَكَذٰلِكَ نُـنْجِي الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ [1] پس ہم نے ان کی دُعا قبول کی اور ان کو اس گھٹن سے نجات دی اور ہم اسی طرح (اور) ایمان والوں کو (بھی) نجات دیا کرتے ہیں۔

---

[1] پارہ ۱۷۔ الانبیاء ۲۱۔ آیت ۸۷

باب سوم

نصیحت کا فلسفہ

آؤ اب ذرا حضرت امیر خسروؒ کی نصیحتوں پر عمل پیرا ہونے کی کوشش کریں۔ آخر اتنے بڑے جامع کمالات طوطیِ سخن۔ راسخ الاعتقاد متقی صوفی۔ صاحبِ عمل کی بات بیکار تو نہیں ہو سکتی۔

یہ سچ ہے کہ زمانہ بدلتا رہتا ہے۔ گردشِ فلک کتابِ روزگار کے اوراقِ لیل و نہار الٹتی رہتی ہے۔ ہر قرن میں ایک نئی تاریخ ملتی ہے۔ ہر باب میں ایک نیا سبق

بہر زمانہ باندازِ تازہ مے گویند
حکایتِ غمِ فرہاد و قصۂ پرویز (اقبالؒ)

لیکن اصلِ اصول اور اساسِ نفسیات وہی رہتا ہے۔ نہ اخلاقیات کی روح بدلتی ہے نہ اس ذہنیت میں فرق آتا ہے۔

زمانہ بدلتا ہے۔ مگر ہماری حاجات نہیں بدلتیں۔ ظاہری صورت بدل جاتی ہے۔ مگر ہماری ضرورت کی اصل نہیں بدلتی۔ مثلاً ماں کی بیٹے سے محبت۔ نفسیات وہی ہیں مگر کسی زمانے

میں والدہ بیٹے کو زر بفت کا جامہ پہنا کر خوش ہوتی تھیں تو اب انگریزی سوٹ دیکھ کر محظوظ ہوتی ہیں۔ فخر و محبت وہی ہیں طریقہ اظہار مختلف ہے۔ یا دوسری مثال شان و شوکت کے اظہار کے لیے حشم و خدم اور شاندار سواری کی ضرورت ہے۔ کسی زمانے میں چار گھوڑے کی گاڑی تھی تو آج رولس رائس کی سیلون موٹر کار ہی اس شان کا ظہور پورے جلال میں کر سکتی ہے طرز اظہار بدل گئی یا کسی زمانے میں مناصب اعلیٰ حاصل کرنے کے لیے عربی، فارسی، ترکی کی تکمیل ضروری تھی تو آج انگریزی فرانسہ کے سوا چارہ نہیں۔ علم کا حصول وہی رہا۔ صرف ایک طرف سے رُخ ہٹ کر دوسری طرف کو پلٹ گیا۔

یہ قانونِ قدرت ہے اور تبدیلی کا واقعہ ہونا لازم اور یہ بالکل سچ ہے کہ جو قوم اپنے آپ کو ان تبدیلیوں کے ساتھ نہیں بدلتی اور نئے طریقوں سے نئے زمانے پر حاوی ہونیکی کوشش نہیں کرتی وہ تباہ بھی ہو جاتی ہے۔

دنیا اور دنیا والوں کی مٹی وہی رہتی ہے۔ پرانے سانچوں سے نکال کر اسے نئے سانچوں میں بھرا جاتا ہے۔ چرخ نیلوفری کی گردش کہنہ فرسودہ ڈھانچوں کو گرا کر اسی مال مصالحہ سے نئے پیکر تیار کرتی ہے۔ اور جو کوئی پرانے کفن کو نہیں چھوڑتا وہ آسیائے فلک کی گردش میں اس کے ساتھ خود بھی پس جاتا ہے۔

جب ہم دورِ حاضرہ کی دُنیا میں رہتے ہیں۔ اس کی ہوا میں سانس لیتے ہیں۔ اسی سمندر کی موجوں کے ساتھ کھیلتے ہیں اس نئی خاک و آب سے نشو و نما پاتے ہیں تو کوئی سبب ہے کہ ہم آج سے دو یا چار سو سال قبل کے مرحوم و مغفور زمانے میں زندگی گذارنے کی کوشش کریں ؟ اس کا کوئی مدلّل سبب تو معلوم نہیں ہوتا۔ اگر ہم ایسا کریں تو کتاب لیل و نہار کا مصلح ہمیں صفحۂ ہستی پر حرفِ مکرّر سمجھ کر مٹا دے گا۔ باغِ جہاں کا مالی کہنہ و فرسودہ سمجھ کر اکھاڑ باہر پھینکے گا۔ قافلے والے ہمیں ہم جنس نہ جان کر پیچھے چھوڑنے کی کوشش کریں گے۔ اور زندگی کی کشمکش میں جہاں آج نئے نئے علمی سماجی اقتصادی ہتھیار بر سرِ کار نظر آتے ہیں۔ ہم فرسودہ اور کہنہ آلات کو استعمال کرنے کے باعث ناکامیاب رہیں گے۔

اگر ہم زندہ اور صاحبِ اقتدار رہنا چاہتے ہیں تو ہمیں اپنے آپ کو زمانے کے نئے رنگ میں رنگ لینا چاہیے۔ اس کا تصادم کسی طرح سے مذہب سے نہیں ہوتا۔ سانپ مر جاتے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے۔ دونوں کام ہو جاتے ہیں۔ امیر خسرو کو یہ نصیحت کہے چھ سو برس سے زیادہ کا عرصہ ہو گیا۔

وہ فضا اور تھی وہ ہوا اور ـــــ وہ دُنیا اور تھی اس کی صدا اور ـــــ اب زمانہ بدل گیا۔ وہ ملک وہ بادشاہ وہ مذہب کا رنگ

وہ ملت کے خیالات سب تبدیل ہو گئے۔ بلکہ زمانے کی رَو نے انہیں بدل دیا۔ وہ خود اگرچہ بدلنے پر تیار نہ تھے مگر زمانے کے ہاتھوں مجبور ہوئے۔

کامیاب کون ؟

کامیاب وہی ہے جو زمانے کی روش کو قبل از وقت سمجھے اور اپنے آپ کو اسی سانچے میں ڈھال لے۔ زمانہ یہ سمجھے کہ یہ ہمارا ایک حصہ ہے۔ نہ کسی عجائب گھر سے نکالی ہوئی عہدِ عتیق کی یادگار، نہیں تو آج نہیں کل، مجبوراً زمانے کی چال اختیار کرنی پڑے گی، ہم نہیں ہمارے بچے۔ مگر اس وقت تک دیگر دوربین دماغ اپنی پیش بینی کے جوہر کو استعمال کر لیتے ہیں اور وہ ترقی کے میدان میں بہت آگے بڑھ جاتے ہیں۔ قدیم پر قائم عتیق کے دلدادہ، وقت کو عملی کام میں لگانے کی بجائے نظارہ کرنے اور فلسفہ چھانٹنے میں گزارتے ہیں۔

یارانِ تیز گام نے محمل کو جالیا
ہم محوِ نالۂ جرسِ کارواں رہے

جب ہوش آتا ہے اور بھنور میں گھر کر ہاتھ پاؤں مارنے پر مجبور ہوتے ہیں۔ تو دریا کا رُخ بدل چکا ہوتا ہے۔ مگر عہ: ا پچھتائے کیا بنے جب چڑیاں چگ گئیں کھیت

ان نصائح کی رُوح اب بھی قائم ہے۔ مگر ان کا ظاہری لباس دورِ حاضرہ میں قائم نہیں۔ اصل اصول وہی ہے مگر فروعات مختلف ہیں۔ بنیاد ایک ہی ہے مگر تفصیلات اور ہیں۔

یہ بھی ماننا پڑتا ہے کہ شاعری کا لباس پہن کر بعض خیالات کچھ غیر معیّن ہو جاتے ہیں۔ مگر سچ پوچھو تو یہی نظم کا حسُن اور عروسِ سخن کے رُخِ روشن کا غازہ ہے جب ضرورت ضروری ہے کہ ہم خیال کے جامہ کو تشکیل دے لیں اور اس کی مناسب تکمیل کر لیں۔ جب تک کہ کھانے میں مرچ مصالحہ نہ ہو۔ وہ بے مزا معلوم دیتا ہے۔ حقائق کو ادبی رنگ میں پیش کیا گیا ہے ہمارے پیشِ نظر یہ حقائق ہیں۔

بچّوں کے لیے نصبُ العین

اس میں نہ آپ کو انکار اور نہ مجھے کہ

ہمارے بچّوں کے سامنے ایک نصب العین ہونا چاہیے یعنی ان پر روزِ روشن کی طرح عیاں ہو کہ کون سا کام اچھا ہے کونسا بُرا۔ انہیں واضح طور پر معلوم ہو کہ کونسا فعل مُستحسن ہے اور کونسا معیُوب۔ گویا انہیں کیا کرنا چاہیے اور کیا نہیں کرنا چاہیے۔ ان کا ننھا سا دماغ خود تو اپنی بھلائی بُرائی کو نہیں سوچ سکتا۔ ان کے سامنے بزرگوں کے تجربات سے ثابت شدہ مسلّمہ اصول پیش کرنا ضروری ہیں تاکہ وہ زندگی میں کامیاب

بن سکیں اسی کا نام ”نصیحت“ ہے۔

ناتجربہ کار ننھے دماغ خود تو اس قابل نہیں کہ اپنی بھلائی بُرائی کو سمجھ سکیں اور خود اپنا لائحہ عمل تیار کرلیں۔ یہ ان کے بزرگوں کا کام ہے جنہوں نے زمانے کا گرم و سرد چکھا ہے۔ جو عُیوب و محاسن کو پرکھنے کی اہلیت رکھتے ہیں۔ جن کا دماغ ان کاغذی الفاظ کو تجربے کی کسوٹی پر پرکھ چکا ہے۔ گویا نصیحت کا مضمون پختہ ہو چکا ہے۔ اس کے بعد اس نصیحت کو بچوں کے لیے اَمر و نہی کا لائحۂ عمل بنا دیا جائے۔ یہ کام کرو یہ مت کرو۔ یہ خُوب ہے یہ بُد ہے۔

ماہرینِ فلسفۂ تعلیم کی رائے

فلسفۂ تعلیم کے ماہروں کا خیال ہے کہ ابتدائی اَدوار میں بچّے کی منشاء پر صرف چند کام چھوڑنے چاہئیں۔ اَمر و نہی کا بتانا بزرگوں کا کام ہے۔ اگر وہ غلطی کرے تو اُسے ٹوکا جائے۔ اسی طریق سے اُس کی ضمیر صحیح راستے پر تربیت حاصل کرسکتی ہے۔ اور اس کا دماغ پختہ ہونے کے بعد نیکی اور بدی میں تمیز کرسکتا ہے یہ درست ہے کہ مختلف سماجوں اور مذاہب نے اپنی نیکی بدی کے معیار مختلف مقرّر کیے ہیں۔ مگر ہمیں وہ معیار

دیکھنا ہے جو ہمارے سماج نے مقرر کیا ہے اور یہ تربیت سے ہی پیدا کیا جا سکتا ہے۔

نصیحت مسلمہ قوانینِ اخلاق کی تعلیم سے بہتر کوئی نہیں ہو سکتی۔ وہ ایسی نصیحت ہے جو ہمیشہ کے لیے ہے۔ زمانہ بدلتا ہے۔ مگر اس نصیحت کا اصول نہیں بدلتا۔ خسرو جیسے علامہ کے الفاظ اس غرض کے لیے بہترین ہیں اور قدرت نے جہاں خسرو کو اپنے مختلف الانواع خزائن سے مالا مال کر دیا تھا۔ وہاں نصیحت کا سلیقہ بھی عطا کیا تھا۔

ثواب فرزانگی اسی میں ہے کہ ہم خسرو کی نصیحتوں کو دورِ حاضرہ کی روشنی میں دیکھیں۔ میرے ساتھ آئیے۔ میں آپ کو سرکارِ خسروی میں پیش کئے دیتا ہوں۔ سرِ تسلیم خم کیجئے۔ کورنش بجا لائیے اور امیرِ قلمرو سخن حضرت امیر خسرو دہلوی کے دربار خسروی میں جدید طرزِ معاشرت کا نقشہ اپنی آنکھوں سے دیکھئے ان کی نصیحتوں کو تفصیل وار اپنے کانوں سے سنیے۔ نئی روشنی میں انہیں جواہرات کی چمک دمک نئے رنگ میں نظر آ رہی ہے۔

امیر خسرو کی نصیحتوں کا تفصیلی جائزہ دورِ حاضر کی روشنی میں

کہتے ہیں بیٹی! ابھی تو چھوٹی ہے اور بے سمجھ۔ یہ باتیں میں اس لیے کہہ رہا ہوں کہ جب تو سنِ بلوغت کو پہنچے اور بڑی ہو جائے تو تیرے کام آئیں۔ یہ ظاہر ہے کہ باپ بیٹی کو نصیحت کرتے ہوئے اور پھر بالغ اور جوان بیٹی کو نصیحت کرتے ہوئے شرماتا ہے۔ پیرایہ یہ نکالا ہے کہ بچی کو کم سن سمجھا ہے۔ تاکہ اسے واضح طور پر نصیحت کرنا ممکن ہو سکے۔ ورنہ کم عمر بچی بھلا اس سے کیا اِستفادہ کر سکتی ہے۔ حقیقت میں شاعر نے زمانے کی تمام عورتوں کو نصیحت کی ہے۔ اس سے غرض ان کی رہنمائی۔ تاکہ ان کے سامنے ایک نصب العین موجود ہو۔ یہ نصیحتیں جوان لڑکیوں، شادی شدہ بیبیوں، بالغ عورتوں اور گھر کی ماں بیٹیوں کے لیے ہیں۔ گویا تمام طبقۂ نسواں کے لیے ایک دستور العمل۔

عِصمت سب سے پہلی بات جس پر حضرتِ امیر نے زور دیا ہے۔ وہ "عِصمت" ہے۔ سچ پوچھیے

ہو۔ تو عصمت ہی عورت کا اصلی جوہر ہے۔ یہی اس زندگی میں اس کی رُوح اور یہی اس کا زیور ہے۔ اس کے ساتھ وہ فرشتہ اور جنّت کی حُور ہے اور اس کے بغیر مٹّی کی مورت۔ اسی لیے حضرت خسرو نے بخت وکشائش رزق سے زیادہ اس پر زور دیا ہے۔ آج کل کا باپ ہوتا تو کہتا میری بیٹی امیر گھرانے میں رہے حضرت امیر کا عصمت کے لیے سب سے پہلے دُعا مانگنا صحیح اِتّقا کا نظریہ ہے۔ بخت اور بدبختی تو خدا کی طرف سے ہیں۔ مگر عصمت اور عفت کی نگہبانی عورت کے اپنے ہاتھ میں ہے۔ تو عورت کے لیے عصمت کے گوہر کی حفاظت ناگزیر ہے۔

عصمت کی حفاظت کے لیے چند امور مُمِد ہیں ان امور کا ذکر عصمت کے بعد کیا ہے۔

(۱) عبادت (۲) پرہیزگاری۔ ان کے بعد دوسری باتیں ہیں۔ کام میں مصروف رہنا، شوہر نثاری، بے جا زیب و زینت سے اجتناب وغیرہ۔ عصمت کی حفاظت کی اہمیت تو تربیت سے پیدا کی جاتی ہے اور عملی طور پر اس پر قائم رہنے کے لیے عبادت، پرہیزگاری وغیرہ پر عمل پیرا ہونا لازمی ہے۔ بابِ نصیحت کو کھولتے ہی عصمت کا ذکر کیا ہے۔ گویا عصمت کو اتنا اہم سمجھا ہے۔

عبادت

عبادت بنی نوع انسان کا فرض اور ہماری دینی و دُنیاوی مشکلات کی کُنجی ہے۔ کہتے

ہیں کہ اگر تم محبت کا اظہار کرتی ہو تو خدا سے کرو۔ اور اس پہ نازاں ہو۔ سچ یہ ہے کہ ایک عبادت پر کاربند ہونا سو گناہوں سے ہاتھ دھونا ہے۔ جو عبادت کرے گا خدا کا خوف اس کے دل میں ہر وقت موجود ہو گا۔ پھر جو دل خدا کا گھر ہے اس میں فاسد خیالات کو کیا دخل۔ گویا ہر طرح سے امن و عافیت صبر اور اطمینان قلب کی زندگی ہے۔ جب یہ باتیں ہوئیں تو عزّت و آبرو از خود حاصل ہو گی۔ تو گویا دینی اور دنیوی مراحل طے کرنے کے لیے عبادت ضروری ہے۔ جب فاسد خیالات کے پیدا ہونے کے لیے دِل میں جگہ نہیں ہو گی تو عِصمت کے قائم رکھنے کا انتظام سہل ہو جاتا ہے۔

پرہیزگاری

عبادت اور پرہیزگاری میں فرق ہے۔ ایک انسان بہت سی نمازیں پڑھنے کے ساتھ ممکن ہے پرہیزگار نہ ہو۔ یعنی اس کے خیالات فاسد ہوں۔ فرعون بہت بڑا عابد تھا۔ راتوں جاگ کر خدا کی عبادت کرتا تھا۔ مگر پرہیزگار نہ تھا۔ آپ نے اور کئی آدمی دیکھے ہوں گے۔ نمازیں تو اتنی پڑھتے ہیں کہ گویا ماتھا رگڑ رگڑ کر سارا کرۂ زمین گھسا کر آسمان بنا دیں گے۔ ؎

زمین شش شد و آسماں گشت ہشت (فردوسی)

مگر اوّل درجہ کے دغاباز فریبی چغل خور وغیرہ۔ تو اس عبادت سے عبادت تو ہو گئی مگر انسان پرہیزگار نہ بنا جو کہ دنیا میں کوہِ وقار بنے

کے لیے ضروری ہے۔

پرہیزگاری یہ سمجھ لو کہ عملی طور پر گناہ نہ کرنا کسی طرح کا گناہ۔ یہ ہیچ ہے کہ عبادت پرہیزگاری میں امداد دیتی ہے مگر گناہ کرنے سے حکماً روک نہیں سکتی۔ بلکہ ایسا آدمی خدا کی درگاہ میں اور معتوب ہوتا ہے جو کہ لوگوں پر اپنی عبادت کا بہت رعب بٹھائے۔ مگر حقیقتاً پرہیزگار اور عابد نہ ہو۔ چونکہ اس میں ایک اور گناہ یعنی ریاکاری کا اضافہ ہو جاتا ہے۔ ؎

شخصے بہ زنے فاحشہ گفتا مستی
ہر لحظہ بہ دام دیگرے پابستی
گفتا شیخا ہر آنچہ گوئی ہستم
اما تو چنانچہ می نمائی ہستی (عمر خیام)

سعدی کہتا ہے ؎

کلیدِ در دوزخ است آں نماز
کہ در روئے مردم گزاری دراز

گویا یہ عبادت نہیں ریاکاری ہے۔

عبادت سے قلب کی صفائی ہوتی ہے۔ دعا سے خدا کی نعمتوں کے دروازے کھلتے ہیں۔ لیکن آدمی پرہیزگار نہ ہو تو بدنام ہوگا اور خدا کی لعنتیں اس پر وارد ہوں گی۔ عورت میں پرہیزگاری کی کمی جوشِ جوانی کے گمراہ کن خیالات سے پیدا ہوتی ہے یا جلبِ زر

کی خواہش، جس کا منبع ہوس و حرص ہے۔ اگر انسان قناعت سے کام لے اور تسکینِ قلب نہ کھوئے تو خدا کا دیا ہوا بہت کچھ ہوتا ہے۔ ہر حالت میں کافی ووافی سے زیادہ۔ اضافہ کے لیے حاکم الحاکمین سے دُعا کرو نہ کہ غیر معقول ذرائع سے روپیہ پیدا کرنے کی ترکیبیں سوچنے میں اپنا وقت ضائع کرو۔

تو حضرت امیر فرماتے ہیں کہ ان جوانی کے خیالات کو ہلاک کردو۔ فاسد منصوبوں کو دِل سے بھلادو۔ مُوتُوا قَبل اَن تَمُوتُوا (مرنے سے پہلے ہی تم مرجاؤ) پھر تم جنّت کی حقدار بن سکتی ہو۔

مرنے سے پہلے مرنے کا یہی مطلب ہوا کہ تمام فاسد خیالات کو مار دیا جائے۔ انہیں سینے سے نکال باہر کیا جائے۔ بُرے خیالات کی موت واقع ہو جائے۔ اور صرف پاکیزگی نیکی اور طہارتِ دل ودماغ میں باقی رہ جائے۔

خاندان کی ناموس عورت سے وابستہ ہے اور عورت کی ناموس پرہیزگاری کے ساتھ۔ تو کہتے ہیں کہ اے بیٹی اگر تُو پرہیزگار ہے تو تیرا نیک نام روشن ہوگا۔ گویا تُو نے میرا نام زندہ کر دیا۔ فلاں کی بیٹی ہے۔ اگرچہ تیرا باپ جسمانی طور پر مر گیا ہے، لیکن روحانی طور پر زندہ ہے۔ چونکہ تیرے نیک نام کے سبب سے اس کا نام نیک مشہور ہے۔

عصمت، عبادت اور پرہیزگاری زندگی کے ایسے ضروری اصُول ہیں کہ ہم ان سے کسی حالت میں انکار نہیں کر سکتے۔ ان سے انکار کرنا گویا تہذیب و تمدن سے انکار کرنا ہے۔ یہ صرف تمام مذاہب کی نہیں بلکہ عالمِ خاکی کی سماج کی بنیادیں ہیں۔ گناہوں کے سمندر کے تھپیڑے اور عصیاں کے دریا کی موجیں ان کو ہلا نہیں سکتیں۔ انسان ایک معجون مرکب ہے فرشتہ خصلت اور شیطان سیرت۔ ان تین اصولوں سے ہماری قدسی ضمیر کی تنویر بڑھتی ہے اور روحانیت میں اضافہ ہوتا ہے صِنفِ نازک چونکہ اپنی نزاکت اور صفائی کے سبب ان صفات کی طبقہ ذُکور کی نسبت زیادہ حامل ہے اس لیے عورتوں کے لیے اس کی زیادہ تاکید کی گئی ہے۔

نظریۂ تدبیر کی اہمیّت

عورت عموماً کج رائے سمجھی جاتی ہے۔ اور مرد صاحبِ تدبیر خیال کیا جاتا ہے۔ یہ اُصول بحیثیتِ افراد کے تسلیم نہیں کیا جاتا بلکہ بحیثیت جماعت کے بعض عورتیں نہایت پُختہ کار اور روشن رائے ہوتی ہیں۔ تو اسی سبب سے خسُرو کہتے ہیں کہ وہ عورت بہترین صفات کی مالک ہے جو مرد کی طرح سے صاحبِ تدبیر ہو۔ دوسری عورتوں کی

راستے پر اس کی رائے حاوی ہو۔ وہ اپنا وقت بیکار بناؤ سنگار میں ہی صرف نہ کر دے۔ بلکہ تعمیری کام کی طرف اپنی قوتیں بڑھائے اور مفید مطلب نتیجہ مرتب کرے۔

تدبیر سے مطلب یہ سمجھ لیجئے کہ خاص واقعات اور حالات کے ماتحت آدمی اپنے ذہن اور فکر سے ایسا لائحہ عمل تیار کرے کہ کام اس کے حسب منشاء ہو جائے۔ تدبیر کا نظریہ یہ ہوا۔ گذشتہ تجربے کی بناء پر وہ تجربہ ذاتی ہو یا کتابوں سے حاصل کردہ موجودہ واقعات کو ایسے سانچے میں ڈھالا جائے کہ وہ مستقبل میں ہمارے لیے مفید ثابت ہوں۔ آج کے طریق تعلیم میں یہ بہت بڑی کمی ہے۔ ہم بچوں کو مشین بناتے ہیں صاحب فکر انسان نہیں بناتے۔ جب حالات کی ایک خاص شکل ہو جس کے متعلق بچے کو پہلے تعلیم دی جا چکی ہے۔ تو وہ بغیر سوچے قبل از وقت ایک نتیجہ نکال لیتا ہے۔ اور جہاں نقشہ ذرا سا بدلا یہ حضرت صمٌ بکمٌ کھڑے ہیں ٹک ٹک دیدم دم نہ کشیدم۔ چاہیے یہ کہ انسان عقل، فکر اور تدبیر سے کام لے تاکہ تمام انواع کے حالات پر حاوی ہو سکے۔ اگلے وقتوں کے ہندوستانی[1] اس لحاظ سے ہماری نسبت بہت زیادہ صاحب تدبیر تھے۔

صاحب تدبیر ہونا ذہنی تربیت پر منحصر ہے جو صرف کتابوں سے حاصل نہیں ہوتی۔ بلکہ بچوں کو سوچ اور فکر کا

---

[1] چونکہ کتاب پاکستان بننے سے پہلے کی ہے؎

مناسب موقع دینے سے۔ ہمارے بچّے آنکھ کان مُنہ سب اَعضاء کا استعمال تو کرتے ہیں مگر نہیں کرتے تو دماغ کا۔ وہ دیکھ رہے ہوتے ہیں اور پھر نہیں دیکھتے۔ چونکہ ظاہری آنکھوں سے تو دیکھتے ہیں عقل کی آنکھوں سے نہیں دیکھتے ان کا قصور بھی نہیں۔ انہیں سکھایا ہی نہیں جاتا ہے۔ چاہیے کہ انہیں سوچنے اور فکر کرنے کا موقعہ دیا جائے۔ اور پھر بزرگوں کی صائب رائے ان کے خیالات کو صیقل کرتی رہے جس سے یہ دماغ جواب موم کی طرح ہے ایک مناسب سانچے میں ڈھل جائے۔ اِمتدادِ[1] زمانہ کے ساتھ جب بچّے کی جوانی کا زمانہ آتا ہے یہی موم سخت ہو کر فولاد بن جاتا ہے۔ پھر نہ موڑے مڑتا ہے اور نہ ہتھوڑوں سے اپنی شکل بدلتا ہے۔

پھر کہتے ہیں کہ عورت کی تدبیر مرد کی تدبیر سے مختلف ہے۔ چونکہ مرد کے فرائضِ زندگی مختلف ہیں۔ مرد اگر روزی کمانے کا ذمّہ دار، محنت مشقّت کا عادی ہے۔ تو عورت کے سپرد اُمورِ خانہ داری کا انتظام، بچّوں کی نگہداشت و تربیت ہے۔ ایک کا کام دوسرے کے سپرد نہیں کیا جا سکتا تو اس لحاظ سے عورت کی تدبیر زیادہ تر گھر کے کاروبار کے متعلق ہونی چاہیے۔ یعنی وہ اپنے حلقۂ عمل پر حاوی ہو اس کے لیے

---

[1] : اِمتداد : طوالت ، درازی ؎

بہترین ہتھیار سوئی اور چرخہ ہیں۔

سینا پرونا

اُس دَور میں جب حضرت امیر خسرو حیات تھے گھر کی بیبیوں کے لیے سوئی اور چرخہ کا ہنر سیکھنا ان کی خوبیوں میں شامل تھا۔ آج بھی اصول وہی ہے، اس سے غرض سینا پرونا ہے۔

بچّوں کی تربیت سے غرض صرف یہ نہیں ہوتی کہ انہیں کچھ لکھنا پڑھنا آجائے بلکہ یہ کہ ان میں عاداتِ محمُودہ پیدا ہوں جن میں سے لکھنا پڑھنا ایک ہے۔ غرض یہ ہے کہ وہ آئندہ زندگی میں کامیاب ہوں۔ الجبرا اور جیومیٹری جو سکول کے تمام بچّوں کو پڑھنے پڑتے ہیں۔ زندگیٔ مابعد میں ان کے کس کام آتے ہیں؟ مگر یہ علوم ان میں دلیل کے سوچنے، معاملات کو معین طور پر سمجھنے اور بظاہر بعید از قیاس عمومی علمی مسائل کو صحیح ماننے کی قوت پیدا کرتے ہیں۔

سینا پرونا سیکھنے سے بچّیوں میں اخلاقی قوتیں پیدا ہوتی ہیں

لڑکیوں کی تربیت میں سینا پرونا خاص طور پر شامل ہے۔ اس سے ظاہری فائدہ تو یہ ہے کہ وہ سوئی سلائی کا کام سیکھ لیتی ہیں۔ مگر باطنی فائدہ یہ ہے کہ ان کی ذہنی تربیّت ہو جاتی

ہے۔ ان میں صبر کی عادت بڑھتی ہے قوّتِ ضبط میں اضافہ ہوتا ہے۔ کفایت شعاری کی عادت پیدا ہوتی ہے وغیرہ۔ انہیں یہ یقین ہو جاتا ہے کہ جس طرح سے ایک ایک ٹانکا لگانے سے ایک پیرہن تیار کیا جا سکتا ہے۔ اسی طرح سے ایک ایک پیسہ جوڑنے سے ایک گرانقدر رقم جمع ہو جاتی ہے۔ وہ بظاہر الفاظ میں اس کی تشریح نہ کر سکیں۔ مگر ان کی ذہنیت، تربیت کے سبب اس طرح کی بن جاتی ہے۔ جس طرح سے ایک چھوٹے سے رومال کی کشیدہ کاری کے لیے اتنے وقت محنت اور استقلال کی ضرورت ہے۔ اسی طرح سے گھر کی سلطنت کے امُور کو حسبِ منشاء سرانجام دینے کے لیے، اگرچہ وہ بہت چھوٹے سے دکھائی دیتے ہیں، صبر وقت محنت اور استقلال کی ضرورت ہے۔ مگر حقیقتاً" تربیّت کے بعد یہ ان کے خوُن کا حصہ بن جاتا ہے۔ جب دماغ سوچتا ہے تو اسی رنگ میں۔ الفاظ میں پڑھانے کی ضرورت نہیں رہتی عمل خود ذہن میں بٹھا دیتا ہے۔

اسی سبب سے عورت کی نظر گھر کے تمام چھوٹے چھوٹے کاموں پر رہتی ہے اور اسی بناء پر وہ تفصیلات کے سرانجام دینے میں کامیاب ہوتی ہے۔ آپ نے دیکھا ہوگا کہ مردوں میں اس طرح کے صبر کی قوت کم ہوتی ہے مثلاً ایک

اُلجھا ہوا دھاگا سلجھانا ہو یا ڈورے کی کئی گرہیں کھولنی ہوں تو اکثر مرد کا دماغ یہ کہے گا کہ اس کو چاقو سے کاٹ دو۔ عورت اس کے برخلاف یہ پسند کرے گی کہ دھاگے کو نہ کاٹا جائے بلکہ گرہیں کھولی جائیں اگر آپ کبھی اس کے مطابق نہ پائیں تو بلاشبہ عورت میں، اسی تربیت کی کمی کا اثر ہے جو بچپن میں اسے حاصل نہ ہو سکی۔

آج ہماری بچیوں کا سینا پرونا اس شکل میں نہیں جو آج سے چھ سو سال پہلے تھا۔ زمانے کی ضروریات بدلی ہوئی ہیں چرخہ غالباً سماج سے نکل چکا ہے وہ پرانی روش کی سلائی بھی مفقود ہے۔ اب تو سینے کی کل ہے اور وہ پرانی سلاریوں کی بجائے اب کشیدہ کاری، سوئی سلائی کا کام اور سو اسی طرح کی باتیں موجود ہیں۔

ہمیں جدید روش اختیار کرنی چاہیے۔ مگر اس تربیت کی آج بھی اتنی ہی ضرورت ہے جتنی چھ سو سال پہلے تھی غرض یہ کہ ایک تو مفید مطلب ہنر ہاتھ آئے اور پھر بچیوں میں عاداتِ محمودہ پیدا ہوں۔

بعض گھرانوں میں شاید اس سینے پرونے کی مشق کو بالکل بیکار سمجھا جاتا ہے۔ چونکہ ان کے خیال میں بچیوں کو بڑے ہو کر اس کی کبھی بھی ضرورت نہ ہو گی۔ یہ کام کرنے کے لیے

نوکر چاکر موجود ہوں گے۔ اس حالت میں تفصیلات پر غور کرنے کی عادت پیدا کرنے کے لیے بچیوں کی تربیت ایسے کاموں میں ہونی چاہیے جو اس گھر میں کیے جاتے ہوں۔ مثلاً نوکروں کی دیکھ بھال، حساب کتاب کی پڑتال، گھر کے سامانِ آرائش پر ذاتی توجہ وغیرہ۔

سَتر (پردہ)

عورت کے لیے سَتر ضروریاتِ زندگی میں سے ہے۔ وہ مرد کی طرح سے محافظت کے بغیر اور بے حجابانہ نہیں پھر سکتی۔ اب رہا یہ سوال کہ سَتر کس طرح کا ہونا چاہیے تو اس کے متعلق خیالات عہد بہ عہد بدلتے رہتے ہیں اور پھر ہر آدمی پردہ کے متعلق اپنا معیار الگ بنا لیتا ہے۔ بعض تو یہ ضروری خیال کرتے ہیں کہ عورت کی آواز بھی کسی غیر مرد کو سُنائی نہ دے۔ اس کے برخلاف دوسری انتہا کو پسند کرنے والے لوگ یہ یقین رکھتے ہیں کہ پردہ صرف عورت کے دِل کا ہوتا ہے۔ باہر پھرنے لوگوں سے ملنے کے لیے عورت کو خدا نے آزاد پیدا کیا ہے۔ ہاں مگر ان سب باتوں کی آخری انتہا شرع کے مطابق ہونی چاہیے۔ یعنی اس معیار سے نہیں گرنا چاہیے جو کسی کے مذہب نے اس کے لیے مقرر کی ہو۔ یہ ہماری انتہائے اقل ہے۔ باقی باتوں کو ہم اپنی ضرورت کے مطابق ڈھال کر نئی روشنی کے مطابق

لا سکتے ہیں مگر اس کو نہیں چھوڑ سکتے۔

نسوانیّت کے جوہر کا ہر وقت تحفّظ عورت پر فرض ہے

دُنیا کے بعض طبقوں کی عورتیں ہیں جو بے پردہ گھر سے باہر پھرتی ہیں۔ ان کے لیے بھی ایک طرح کے سَتر اور نسوانی حیاء کی ضرورت ہے۔ غرض یہ کہ طبقۂ ذُکور وانُاس کو آزادانہ تعلق میں آنے کی اجازت نہ دی جائے اور انہیں یہ موقع نہ ملے کہ اگر محرم نہ ہوں تو خلوت حاصل ہو سکے۔

سَتر صرف یہ نہیں کہ عورت جس وقت بھی گھر سے باہر نکلے سات پردوں میں مَلفُوف ہو۔ بلکہ ان عورتوں کو بھی سَتر کی ضرورت ہے۔ جو نقاب اور حجاب کے بغیر باہر پھرتی ہیں۔ بدن کا کوئی ایسا حصّہ عُریاں نہ ہو جس سے عورت کی زینت کا اظہار ہوتا ہو۔ نگاہیں نیچی ہوں۔ آنکھوں میں حیاء ہو۔ دِل میں شرم ہو۔ دل کا سَتر۔ آنکھوں کا سَتر اور ظاہری سَتر۔ گو یا عورت کو ہر وقت یہ خیال رہے کہ اپنی نسوانیّت کے جوہر کا تحفّظ میرا فرض ہے۔

امیر خسروؒ نصیحت عورت کے سَتر کے متعلق آج بھی

اتنی ہی مفید ہے جتنی کہ اُس زمانے میں تھی۔ کہتے ہیں تیرے لیے بہترین یہی ہے کہ تُو دروازے کی طرف پُشت اور دیوار کی طرف مُنہ کرے۔ یعنی شرم وحیاء سے کام لے اور بیہودہ اِدھر اُدھر نہ دیکھے۔ پھر اس کی تشریح کی ہے کہ تُو دروازے کی طرف نہ دیکھ اور اگر خِضر کا سا پارسا بھی آئے تو بھی دروازہ نہ کھول ــــ

رُو بہ دیوار و پُشت بَر دَر کن سے غرض یہ نہیں کہ جسطرح سے قدیم زمانے کے استاد بچّوں کو کسی قصور پر کونے میں دیوار کی طرف مُنہ کر کے کھڑا کر دیا کرتے تھے۔ اسی طرح سے تُو بھی کھڑی رہ بلکہ شرم وحیاء سے کام لے۔

عورت کو گھر سے باہر کوچہ گردی کی خاطر نہیں جانا چاہیے اس کے لیے گھر کے اندر رہنا بہتر ہے اسے رَوزَن اور جھروکے میں سے باہر نہیں جھانکنا چاہیے بلکہ گھر کے اندر حیا سے بیٹھنا چاہیے۔ دروازے میں سے باہر دیکھنے اور رَوزَن میں سے جھانکنے میں خرابیاں نکلتی ہیں۔ عورت کو چاہیے کہ وہ اپنے حُسن و زینت کا بے جا اشتہار نہ دے۔ اَوروں کو اپنی طرف متوجّہ نہ کرے۔ شرم وحیا سے کام لے۔ بغیر ضرورت کے گھر سے باہر نہ جائے۔

رَوزَن : سوراخ ، روشندان ؛

گھر میں جب ہو تو دروازے کی طرف نہ جھانکے۔ رَوزَن اور جھروکوں میں سے باہر نہ دیکھے یہی اس کا پردہ ہے۔

عزّت و وقار

اپنی عزت و احترام کو قائم رکھنا ہی سماج میں ہمارے احترام کا باعث ہے اور کون ہے جو نہیں چاہتا کہ میرا احترام و وقار قائم رہے۔ انسان اپنا وقار اس وقت کھوتا ہے جب دوسرے کے سامنے دستِ سوال دراز کرے۔ سوال یہی زر کا ہو سکتا ہے۔ تو حضرت امیر فرماتے ہیں کہ گوہر سے انسان کا وقار زیادہ قدر و قیمت رکھتا ہے۔ اپنی عزت کو زر کے عوض میں مت بیچو۔ تیرا خزانہ یہی عزت ہے۔ سچ یہ ہے کہ لوگوں کی نظروں میں جب انسان گر گیا تو اس کا زر کس کام کا۔

اگر انسان اس روزی پر قانع رہے جو قادرِ مطلق نے اسے دی ہے تو وہ کبھی نفس کی ان مصیبتوں میں گرفتار نہ ہو۔ ہاں کسبِ حلال کے لیے کوشش کرنا اس کا فرض ہے۔ کشائشِ رزق کے لیے دُعا مانگے اور جائز جدوجہد کرے کہ اس کی روزی میں اضافہ ہو جائے۔

عورت کے لیے یہی زر کی خواہش گمراہ کن ثابت ہوتی ہے اور وہ اپنی حُرمتِ نفس کو کھو کر عِصمت سے ہاتھ دھو بیٹھتی ہے۔ اگر انسان بے ہودہ خواہشِ زر سے بے نیاز ہو

کر قناعت کے دامن میں پناہ لے تو اس کا اخلاق اور چلن کبھی نہیں بگڑ سکتا۔ کسی شخص کی شرافت کا معیار اس کا مال ودولت نہیں بلکہ اس کا اخلاق، علم، وقار اور اس کی تمدنی حالت ہے۔

حفاظتِ نفس عورت مرد دونوں کے لیے نفس کی حفاظت کرنا بہت ضروری ہے۔ وہ خودغرضی اور دماغی کیفیت جو انہیں برائی کی طرف لے جاتی ہے اس سے بچنا چاہیے۔ عورت کے لیے یہ عادت بہت ضروری بھی ہے اور بہت مستحسن بھی۔

بے ہودہ راگ رنگ کے اثرات

انسان کی طبیعت فطرتاً گناہ کی طرف راغب ہے جہاں موقع ملتا ہے وہیں جھک جاتی ہے۔ نیکی اور ثواب کے راستے زیادہ محنت طلب اور دِقت آمیز ہیں۔ گناہ تفریح کی نخل کا چھتہ اور عیش ونشاط کی ندیوں کا ناسور ہے۔ عورت تو جذبات لطیف کی ملکہ ہے۔ اس کی فطرت اسے راگ رنگ کی طرف زیادہ مائل کرتی ہے۔

لیکن حضرت امیر فرماتے ہیں کہ دیکھ میری بیٹی نصیحت

اگرچہ تلخ ہے تو اس کی طرف توجہ کرنا۔ مگر فاحشہ اور بداخلاق عورتوں کے راگ رنگ پر کان نہ لگانا۔ اس قماش کی عورتوں کی زندگی بظاہر بہت پُرلطف اور ہنگامہ خیز معلوم دیتی ہے مگر پس پردہ ان سے زیادہ بدبخت دُنیا میں کوئی نہیں ہوتا اور انجام تو ایسا کہ خدا کسی کو نصیب نہ کرے یہ ڈفلی خنجری اور عیش و نشاط کی محفلیں تباہی کا پیش خیمہ ہوا کرتی ہیں شریف عورتوں کو ایسی عورتوں کی صحبت سے اجتناب کرنا چاہیے جو کسبی ہوں یا جن کے خیالات عیش و نشاط کی طرف میلان رکھتے ہوں۔ صحبت کا اثر جلد ہوتا ہے اور پتہ نہیں اگر یہ بیج ایک دفعہ دل میں بو دیا جائے تو کب موقع پا کر وہ بڑھنا شروع کر دے۔ ایسی عورتوں کو گھر میں گھسنے کی اجازت نہیں ہونی چاہیے۔ یہ عورتیں نہیں مردوں سے بدتر ہیں اگر شریف مردوں سے پردہ کرنا شریف عورتوں پر واجب ہے تو بدکار عورتوں سے پردہ کرنا شریف عورتوں پر ہزار دفعہ واجب ہے۔ ان کا پھیلایا ہوا زہر جو الفاظ کے ساتھ ذہن سے نکلتا ہے۔ سُننے والے کے خون میں سرایت کر جاتا ہے اور خیالات فاسد ہو جاتے ہیں۔

فاحشہ عورتوں کی ظاہری شان و شوکت، بھڑک اور مصنوعی روغن دیکھ کر اکثر عورتوں کی آنکھیں چندھیا جاتی

ہیں۔ اور وہ یہ سمجھتی ہیں کہ شاید یہ کوئی سرور انگیز کام ہے مگر حضرت امیر کہتے ہیں کہ دیکھنا ہرگز ایسا نہ کرنا اس سے زیادہ تکلیف دہ اور پُر آزار کام دُنیا میں نہ ہوگا۔ ان کے بے ہودہ راگ رنگ پر فریفتہ مت ہونا۔ ان کے افعالِ شنیعہ میں حصّہ نہ لینا اور نہ ہی ان کی طرح کی حرکات کرنا۔ ابتداء تو ہر کام کی چھوٹی ہوتی ہے۔ مگر ہوتے ہوتے آدمی کہیں سے کہیں نکل جاتا ہے اور تباہی کی نوبت آتی ہے اس لیے تم ادھر کے راستے پر قدم ہی نہ رکھنا۔

شوہر کی خدمتگذاری

دنیا کی عورتیں شوہر کی خدمت گذاری اور وفاداری کے لیے مشہور ہیں تو ہندوستان کی عورتیں جانثاری کے لیے۔ وہ خاوند کو اپنا رفیق ساتھی یا راہنما نہیں سمجھتیں بلکہ سرتاج، مالک اور آقا۔ عورت اپنی ذات خاوند کی ذات میں گم کر دیتی ہے۔ مرد کی خوشی اس کی خوشی ہے۔ اور مرد کا غم اس کا غم۔ سچ پوچھو تو جوڑے میں اُنس و محبت بھی اسی حالت میں قائم رہ سکتی ہے کہ دونوں یک جان و دو قالب ہوں۔ عورت چونکہ محتاج اور زیردست ہے اس لیے شوہر کا ایک جزو بن جاتی ہے۔

عیش و نشاط : رنگ رلیوں ؛ افعال شنیعہ : بُرے کام ؛

ہندوستان کی رسم ستی بھی اسی خیال پر مبنی تھی کہ شوہر کی وفات کے بعد عورت اپنی زندگی کو بیکار سمجھتی اور اس شمع پر پروانہ کی طرح جل کر خاک ہو جانا اپنی حیات کا مقصد جانتی تھی[1] انگریزوں نے اس رسم کو بند کر دیا مگر اب بھی کبھی نہ کبھی ایسا واقعہ ہوتا رہتا ہے۔

اسی خیال کو پیش نظر رکھ کر ایک ایرانی شاعر نے کہا ہے ؎

در محبت چوں زنِ ہندی کسے مردانہ نیست

محبت میں ہندوستانی عورت کا سا کوئی بھی بہادر نہیں۔

سوختن بر شمع مُردہ کارِ ہر پروانہ نیست

بجھی ہوئی شمع پر جل مرنا ہر پروانے کا کام نہیں۔

جو بی بی یہ خیال کرتی ہے کہ وہ اپنے خاوند کی رائے کے خلاف کام کرنے کے باوجود دُنیا میں خوشی کی زندگی گذارے گی۔ وہ ہوا سے ہوس کے قلعے اور ریت سے دام فریب تیار کر رہی ہے۔ ایک نہ ایک دن پردہ اُٹھ جائے گا۔ اگر کچھ کرنا ہے تو مرد کی رائے کو پہلے اس طرح سے بدلو کہ تمہاری خواہشات،

---

[1] اگرچہ دینِ اسلام میں اس رسمِ شنیعہ کی کوئی اجازت نہیں مگر یہ محض بات کی اہمیت واضح کرنے کیلئے مثال دیکر سمجھایا گیا ہے۔ (ناشر)

تمہاری رائے نہیں بلکہ مرد کی رائے سمجھی جائے۔
گھر کا قانونی طور پر ذمہ دار اور محافظ مرد ہے۔ وہی اپنی ذمّہ داریوں کو بہتر سمجھتا ہے۔ مرد کا کام اسی کے سپرد کر دینا چاہیے۔ اگر بی بی بھی اس کام میں دخل دینا شروع کر دے اور چاہے کہ گھر کے کام خاوند کے نہیں بلکہ اس کی منشاء کے مطابق ہوں تو ایک فوج کے دو سپہ سالار بن گئے یا ایک کشتی کے دو ملاح۔ ظاہر ہے کہ نہ یہ فوج کامیاب ہو سکتی ہے نہ یہ بیڑا پار ہو سکتا ہے۔ عورت ہمیشہ اپنے آپ کو مرد کا مشیر کار سمجھے تو بہتر ہے۔ مرد بادشاہ عورت وزیر۔ اگر بادشاہ بیوقوف ہے تو اس سے بہتر سوچے اور کام کو مرتب کرنے کی کوشش کرے۔ مگر رہے وزیر ہی بادشاہ بننے کی کوشش نہ کرے۔
اپنے خاوند کے سوا عورت کو کبھی خلوت میں نہ تو کسی سے ملنا چاہیے اور نہ ہی راز و نیاز کی باتیں کسی سے کرنی چاہئیں بی بی کو خاوند کے سوا سب سے الگ رہنا چاہیے۔
مرد بیوی کے اخراجات کا کفیل ہے۔ اس کی اس کے بچوں کی حفاظت کرتا ہے۔ ان کو آرام دیتا ہے اور کس قدر حیا سوز احسان کُشی ہے کہ عورت اسی مرد سے بیوفائی کرے اور بحیثیت عورت ہونے کے جو فرائض اس پر عائد ہوتے ہیں ان کو پورا نہ کرے۔ خاوند کی نعمتیں صرف اسی وقت حلال ہیں جب

وہ وفا سے کام لے۔

امانت داری

گھر میں اگر مرد بادشاہ ہے تو عورت وزیر۔ خاوند جو کچھ ہو مصیبتوں کے بعد پیدا کرکے لاتا ہے۔ وہ بیوی کے سپرد کرتا ہے تاکہ وہ اس کو جائز مصارف میں خرچ کرے اور نگاہ رکھے۔ تو بی بی اس خزانے کی امین ہے۔ جس کا شوہر صاحب ہے۔ امیر خسرو فرماتے ہیں کہ جو امین امانت میں خیانت کرتا ہے وہ چور کہلانے کا مستحق ہے نہ کہ امین۔

اگر بی بی امانت میں سے کچھ نکال لیا کرے تو اُسے لامحالہ جھُوٹ بھی بولنا پڑے گا۔ چونکہ جب پُوچھا جائے گا۔ تو کچھ اِدھر اُدھر سے جوڑ کر خانہ پُری کرنی پڑے گی۔ اگر یہی حالت رہے تو ظاہر ہے کہ چند روز میں اعتبار اُٹھ جائے گا اور بی بی سے یہ امانت کی خدمت گذاری چھین لی جائے گی مگر یہ اس کا فرض ہے بلکہ اس کے لیے باعثِ فخر ہے۔ اب وہ اس تفاخر سے محروم ہو گئی۔ تو حضرتِ امیر کہتے ہیں کہ بی بی کے لیے راست گوئی اور راست کاری دونوں کا ہونا ضروری ہے۔

امانت میں خیانت کرنے سے غرض صرف یہ ہو سکتی ہے کہ کچھ رقم اور مل جائے۔ آخر وہ دل و دماغ جو تمہاری اتنی ضرورتوں پر اس وقت نگاہ رکھتا ہے اور ان کو پورا کرتا ہے۔ آئندہ بھی کرتا رہے گا۔ اگر صورتِ حالات یوں نہ رہے تو جو کچھ موجود ہو وہ بھی

چھینا جا سکتا ہے۔ اللہ کریم رازق تو قادرِ مطلق ہے۔ بیوی کا نصب العین آرام اتفاق اور محبت سے زندگی بسر کرنا ہے نہ کہ خاوند کو واسطہ بنا کر جلب زر۔ اگر وہ اس نقطہ نگاہ کو ہمیشہ پیش نظر رکھے تو اسے صرف ایک زر کیا، دین و دُنیا کی ہر طرح کی نعمتیں میسر ہوتی رہتی ہیں۔

بیوی کا نصب العین خاوند کو حاصل کرنا ہے۔ اگر وہ خاوند کے ذریعہ روپیہ حاصل کرنا یا روپیہ جمع کرنا شروع کر دے تو خاوند واسطہ بن گیا اور روپیہ نصب العین۔ یہ اصول کے خلاف بات ہے۔ اس لیے بیوی کو ہمیشہ یہ کوشش کرنی چاہیے کہ خاوند اس کا ہو کر رہے۔

کفایت شعاری

گھر کا انتظام اور خانگی کاروبار کا انصرام عورتوں کے سپرد ہوتا ہے یہ ہے بھی ٹھیک کہ وہ مردوں کی نسبت اس کے زیادہ قابل ہوتی ہیں۔ چونکہ فطرتاً عورت سگھڑ، ذرہ ذرہ جمع کرنے والی، تفصیلات پر نگاہ رکھنے والی اور کفایت شعار ہوتی ہے۔

بعض عورتیں فطرت سے جنگ کرتی ہیں اور ان کی عادات طبقۂ نسواں کی عادات یعنی خدا کی پیدا کردہ خصوصیات کے خلاف پائی جاتی ہیں۔ مرد فراخ دل اور اس لیے زیادہ فضول خرچ ہے۔ عورت ان معاملات میں سوچ سمجھ کر کام لیتی ہے۔ عورت

اپنے، اپنے گھر کے، اپنے خاوند کے اخراجات پر نگاہ رکھتی ہے اور ان کو کم کرنے کی کوشش کرتی ہے۔ حضرت امیر کی غرض یہ ہے کہ اگر عورت یوں نہیں کرتی تو وہ صحیح معنوں میں بی بی کہلانے کی مستحق نہیں ہے۔ نہ اس کی زمانہ قدر کرے گا نہ خاوند۔

مرد تو فطرتاً زیادہ خرچ کرنے کا عادی ہے۔ اگر عورت اس سے زیادہ خرچ کرے تو گھر تباہی اور بربادی کا کارزار نظر آئے گا۔ یہ ناؤ اگر آج نہیں تو کل ڈوبے گی۔ تو یہ فرض عورت پر عائد ہوتا ہے کہ گھر کے اخراجات میں کفایت شعاری سے کام لے اور مرد کے اصراف کو کم کرے۔

مرد اگر بے جا خرچ کرتا ہے اور آمدنی خرچ کی متحمل نہیں ہوتی تو عورت پر یہ فرض بھی عائد ہوتا ہے کہ بحیثیت وزیر ہونے کے مرد کو مشورہ دے۔ بلکہ ایسے ذرائع اختیار کرے جس سے خرچ کم ہو جائے۔

سخاوت

اس کے ساتھ معاً یہ خیال ہوتا ہے کہ کفایت شعاری سے کہیں غرض کنجوسی نہ سمجھ لیجائے جس سے آدمی جہاں میں سفلہ اور کم ظرف مشہور ہو جائے۔ یہ ضروری نہیں کہ انسان اگر کم از کم لاکھ روپے کی اسامی ہو تو ہی اس کے لیے سخاوت اور مہمان نوازی ضروری ہے نہیں جو کچھ بھی خدا تعالےٰ نے دیا ہے اس میں سے حسب تناسب

ہر ایک کا حصّہ نکالنا چاہیے۔ اسی میں سے حسبِ استطاعت سخاوت بھی ہونی چاہیے۔ اس لیے سخاوت کا ذکر بھی کفایت شعاری کے ساتھ ہی کر دیا ہے۔

عورت کو چاہیے کہ وہ کم خرچ کرے اور اپنی تدبیر سے روپیہ بچانے کی کوشش کرے۔ مگر اس کے ساتھ ہی سخی اور مہمان نواز بھی ہو۔

بیجا زیب و زینت

یہ عورت کی فطرت ہے کہ وہ بناؤ سنگار کی بہت دلدادہ ہے

اوّلاً یہ کہ جوان عورت، وہ کتنی ہی بدصورت کیوں نہ ہو۔ ہمیشہ اپنے آپ کو خوبصورت سمجھتی ہے۔ یہ مغالطہ اسے ہونا بھی چاہیے چونکہ مرد کی توجہ کا مرکز ہے۔

ثانیاً وہ زیب و زینت پر فریفتہ ہے۔ چونکہ اپنی خوبصورتی میں اضافہ کرنا چاہتی ہے۔ اگر موقع ہو سکے تو وہ زیادہ سے زیادہ وقت اس میں دینا چاہتی ہے۔

حضرت امیر نے اس نکتہ کو خوب پہچانا ہے اور کہا ہے کہ وقت کو بیکار نہیں کھونا چاہیے۔ بلکہ با کار صرف کرنا چاہیے کام وہ ہے جس سے دُنیا اور عاقبت دونوں سنور جائیں۔

سے کام وہ اچھا ہے جس کا کہ مآل اچھا ہے (غالبؔ)
وہ فعل ننگ و عار ہے جس کا اختتام ذلّت و رُسوائی

پر ہو۔ بہت زیادہ فضول قیمتی کپڑے پہننے سے کیا نکلتا ہے۔ ایک تضیع زر کا باعث ——— دوسرے تکبرِ نفس کا سبب ——— اگر سیم پاشی[1] کی اور مال و دولت کو بے جا خرچ کیا تو آخر فضول خرچی کے سبب بدنامی ہوگی اور زر کی کمی کے باعث انسان زمانے میں رسوا ہو جائے گا۔

جب عورت کا لباس فوق البھڑک اور فوق العادہ جاذب توجہ ہوگا۔ تو ہر ایک کی نگاہیں ازخود اس پر پڑیں گی۔ پیکر آرائی اور بہت سی رسوائیوں کا باعث ہوگی جن سے اس علت کے بغیر بچنا ممکن تھا۔

حضرت امیر نے ان دونوں قباحتوں کی تشریح کی ہے سیم پاشی کے عیوب فضول خرچی کے سبب اور پیکر آرائی کے عیوب رسوائی کے تحت میں۔ پیکر آرائی صرف قیمتی لباس پر ہی ختم نہیں ہو جاتی۔ بلکہ اور بھی کئی باتیں اس میں شامل ہیں۔ مُنہ پر غازہ اور سفیدہ لگانا سولہ سنگار کرنا۔ زیورات پہننا۔ یہ تضیع اوقات بھی ہے۔ اس وقت کو آدمی کسی اور بہتر کام میں صرف کر سکتا ہے۔

اگر اب ہم نے زمانے کی ضرورتوں سے مجبور ہو کر یہ فیصلہ تو کر

---

[1] سیم پاشی: بے جا بناؤ سنگار ؎

دیا۔ کہ بیبیاں شرعی پردہ میں گھر سے باہر جا سکتی ہیں۔ اور ان کے لیے اس کشمکشِ حیات میں مردوں کا ہاتھ بٹانا ضروری ہے۔ اگرچہ یہ ہماری خواہشات کے خلاف ہو مگر صنفِ نازک کا دستِ اعانت اسی صورت میں مفید ہو سکتا ہے۔ جب وہ ان عیوب سے گریز کریں۔ جو گھر کے باہر جانے سے ظہور پذیر ہوتے ہیں۔ عورت بے جان چیز نہیں وہ صاحبِ ضمیر ہوشمند انسان ہے۔ اور کسی بات کے کرنے یا نہ کرنے سے انکار کر سکتی ہے۔ ہاں صرف یہ کہ اس کی تربیت ایسی ہو اور اس میں ہمت موجود ہو کہ وہ اپنے ارادوں میں مستحکم رہے۔

سادگی اور صفائی سب سے بہتر ہے۔ ظاہر میں لباس صاف اندر سے دل صاف۔ جب لباس ہزار رنگ کا ہو گا تو دل میں ولولے بھی کروڑ طرح کے پیدا ہوں گے۔ جب ایک عورت بن ٹھن کر گھر سے نکلے گی تو خواہ مخواہ بھی لوگ دیکھیں گے۔ ممکن ہے یہ معاملات خرابی کا سبب ہوں اس لیے لباس کی سادگی لازمی ہے۔

امیر خسرو کہتے ہیں کہ بناؤ سنگار کبھی اس خیال سے نہیں کرنا چاہیے۔ کہ عورت اس کے ذریعہ اپنی عصمت کو رُسوا کرے اور مُخربُ الاخلاق کاموں میں حصہ لے۔ یہ ظاہری شوکت اس حالت میں لعنت ہے۔ اگر تمہیں وقت ملتا ہے تو اسے عبادت

میں صرف کرو۔ ہرزہ سرائی بیہودہ گوئی۔ چغلخوری۔ نکتہ چینی اور بناؤ سنگار میں وقت صرف کرنے کی نسبت خدا کی عبادت بدرجہا بہتر ہے۔

زینت کی اجازت

حضرت امیر فرماتے ہیں کہ یہ تمام باتیں فتنہ و فساد ہیں۔ ان سے سو عیوب پیدا ہوتے ہیں۔ مگر ایک حالت میں جائز ہیں جب کہ خاوند خود اس بات کا خواہشمند ہو۔ اور اس کی رضا اسی بات میں ہو۔ یعنی اس کی خوشی کو خوشی سمجھنا عورت کا فرض ہے۔ اب خاوند کی مرضی یہی ہو۔ تو بی بی کے لیے بناؤ سنگار کرنا اور عمدہ لباس پہننا ضروری ہے اس زینت کی غرض صرف یہ ہے کہ اپنے میاں کی خوشی کو پورا کرے نہ کہ اسے فتنہ و فساد کی جڑ بنا لے۔ اس بناؤ سنگار سے غرض گھر کی بنیادوں کو زیادہ مستحکم بنانا ہے۔ فتنہ و فساد نہیں۔ اس لیے یہ جائز ہے۔ اسی نیت کو پیشِ نظر رکھ کر اپنی آرائش کرنی چاہیے۔

خدا کا خوف

بعض عورتیں کبھی غلطی سے یہ سمجھ لیتی ہیں کہ چونکہ ہمارے خاوند کا چال چلن خراب ہے اس لیے ہمیں بھی حق پہنچتا ہے کہ اپنے اخلاق کو ہاتھ سے کھودیں۔ حضرت امیر فرماتے ہیں کہ یہ غلط نظریہ ہے۔

ہر حال میں ہمارا خدا نگران ہے۔ ہر ایک کے اعمال اس کے ساتھ ہیں۔ اگر ایک شخص جو آپ سے وابستہ ہے خراب ہو جائے تو کیا ضرور ہے کہ آپ بھی اس کی مثال کو پیش نظر رکھیں۔ اُس کی خرابی کا بار اس کی گردن پر پڑے گا۔ مگر اپنے اخلاق کے لیے آپ خود دنیا و آخرت میں ذمہ دار ہیں۔ گویا اگر مرد کا اخلاق خراب ہو تو اس حُجّت پر عورت کو بداخلاقی کی طرف متوجّہ نہیں ہونا چاہیے۔

عِفّت کو قائم رکھنا اور مُخرّبُ الاخلاق باتوں سے بچنا مرد عورت دونوں کے لیے ضروری ہے۔

اگر اتفاقاتِ زمانہ سے مرد نیک اصولوں پر کاربند نہیں رہا۔ تو اس سے یہ مطلب نہیں کہ عورت بھی ان کو چھوڑ دے نقل کرنا اور مثال پکڑنا تو لغو اور بے معنی خیال ہیں۔ عورت کو عصمت کی زیادہ ضرورت ہے۔ چونکہ اس کا زیور یہی ہے پھر اسے اپنے بھائی بہنوں اور اپنے خاندان کی لاج رکھنی چاہیے۔

اگر مرد اس قابل نہیں کہ اس کو راہنما بنایا جائے تو عورت کو زہد و اتقا اپنا راہنما بنانا چاہیے اور عبادت میں وقت گذارنا چاہیے۔ بُرے کاموں سے گریز اس لیے نہیں کرنا چاہیے کہ دنیا بُرا کہے گی بلکہ اس لیے کہ یہی سب سے اچھا

راستہ ہے۔ اور ہمیں بُرے کاموں سے اجتناب کرنا چاہیے یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ خدا ہر وقت ہمیں دیکھتا رہتا ہے۔ اس کی نظروں سے ہم نہیں بچ سکتے۔

حضرت امیر آخر میں کہتے ہیں کہ میں نے جس کام میں تیری بھلائی دیکھی تجھے کہدیا۔ کہنا میرا کام تھا اب اس پر عمل کرنا تیرا فرض ہے۔ نصیحت اس لیے نہیں ہوتی کہ اس کو سُن کر واہ واکہہ کر آدمی خاموش ہو جائے یا فراموش کر دے۔ بلکہ اس لیے کہ اس پر عمل پیرا ہو۔ اس کو اپنا روزمرّہ کا دستورالعمل بنالے اور دُنیا میں کامیاب ہو۔ غرض یہ ہے کہ عورت کے لیے کامیاب زندگی بسر کرنے کا یہ راستہ ہے۔ اور اے بیٹی تجھے چاہیے کہ تُو ان نصیحتوں پر عمل کرے۔

والدین کی ذمّہ داری

والدین کو چاہیے کہ وہ اپنے بچّوں کی تربیت اس طریقے سے کریں کہ مذموم خیالات ان کے دل میں جگہ نہ پکڑیں۔ اچھی عادات، محمودہ خصائل ان میں پیدا ہوں۔ عبادت، پرہیزگاری اور تدبیر کی طرف بچّوں کی توجہ دلائیں۔ والدین بچّوں کے بہترین اُستاد ہیں۔ بچے کا زیادہ وقت ان کی

صحبت میں گذرتا ہے اور وہ بغیر کہے ان کی عادتوں کو اخذ کرتا رہتا ہے۔ گویا انہی کے سانچے میں ڈھل جاتا ہے۔ کچھ خون کا اثر اور پھر صحبت میں رہنے کے سبب تربیت کا سبب۔ اگر والدین اچھے ہوں تو اولاد بھی نیک ہو گی۔ اگر والدین میں کھلے عیوب ہوں تو اولاد بھی ان ذمائم[1] سے گریز نہیں کرے گی:

اس لیے تمام والدین کو چاہیے کہ وہ اخلاقی محاسن اور نیک عادات پیدا کریں۔ تاکہ ان کی اولاد نیک ہو حضرت امیر خسرو کی زبانی یہ تو ہم نے بتا دیا ہے کہ عورتوں کے لیے نیکی کا راستہ کون سا ہے اور بدی کا کون سا۔ اگر بفرضِ محال والدین میں سے کسی کا رجحانِ طبیعت بُرائی کی طرف ہو تو انہیں اس طرح سے انتظام کرنا چاہیے کہ بچّوں پر اس کا اظہار قطعاً نہ ہو۔ اور ان کے کانوں تک اس کی خبر نہ پہنچے۔ بچے خود تو نا اہل ہوتے ہیں۔ انہیں کیا خبر ہماری بھلائی کس بات میں ہے اور بُرائی کس بات میں۔ اس لیے انہیں کامل آزادی نہیں دینی چاہیے۔ بلکہ ان کی آزادی کا دائرہ محدود ہونا چاہیے۔ انہیں مجبور کرنا چاہیے کہ وہ نیک کاموں

---

[1] ذمیمہ کی جمع۔ مراد اس سے ذلّت و رسوائی والے کام ۔

کی طرف توجہ کریں۔ یعنی انہیں اس طریقے سے رکھنا چاہیے کہ از خود ان میں عبادت، پرہیزگاری، تدبیر کے جوہر پیدا ہوں مثلاً بچپن میں جب بچے والدین کے بہت زیادہ دستِ نگر توجہ کے محتاج اور مجبور ہوتے ہیں انہیں زہد و اِتقا سے بہرہ ور کرنا چاہیے اور چند مفید باتیں جو مذہب، اَخلاق، جرأت، ہمت کے متعلق ہیں۔ ان کے ذہن نشین کر دینی چاہئیں۔ اس کے لیے مذہبی کتابیں، مذہبی قصّے کہانیاں یا اخلاقی کہانیاں، دینی مسائل کی کتابیں اور بزرگوں کی صحبت بہت مفید ہے۔ جوان ہونے کے بعد اگر بچوں میں یہ خوبیاں بدرجۂ اتم پیدا نہ بھی ہوں تو والدین نے تو اپنا فرض پورا کر دیا۔ مگر اغلب یہ ہے کہ وہ خوبیاں کچھ نہ کچھ باقی رہیں گی۔

حرفِ آخر

حضرتِ امیر کی نصیحت آپ نے سُن لی۔ یہی عورتوں کے لیے بہترین نصیحت ہے۔ ہمیں چاہیے کہ ہم اسے اپنا دستورالعمل بنائیں۔ اگر ہم ان باتوں پر عمل پیرا ہوں تو آج کتنے قبیح فعل ہیں جو نسوانی طبقہ سے مٹ جائیں۔ کتنے فاسد خیال ہیں جو عورتوں کے دلوں سے خارج ہو جائیں اور کتنی برائیاں ہیں جو ان کی سماج سے یک قلم مفقود ہو جائیں۔

بُرائی سے غرض صرف بُرے عمل ہی نہیں بلکہ بُرے خیال

بھی ہیں۔ ہم میں سے آج کثیر التعداد لوگ بُرائی کی طرف رغبت رکھتے ہیں۔ ان کے سینے میں بُری خواہشات کا سمندر موجیں مارتا ہے۔ مگر اس کے باہر نکلنے کا راستہ نہیں ملتا۔ یعنی ان فاسد خیالات کو عملی جامہ پہنانے کا موقعہ میسر نہیں آتا۔ یہ غلط نظریۂ حیات اور ملوث طریق کار ہے۔ نہ صرف یہ کہ شرعاً گناہ ہے اور غالباً عمدِ قتل، قتلِ عمد کے برابر ہو جاتا ہے۔ بلکہ یہ کہ اس سے ہمارے نظامِ جسمانی پر بہت بڑا اثر پڑتا ہے۔ صحت خراب ہو جاتی ہے۔ دماغ پراگندہ ہو جاتا ہے۔ جب افراد پراگندہ خیالات میں مبتلا ہوئے تو سماج کا رنگ از خود غلیظ ہو جائے گا۔

صحیح نقطۂ نگاہ یہ ہے کہ دل میں ایسے خیالات ہی پیدا نہ ہوں۔ ہم اپنے بچوّں اور بچیوں کی تربیت ایسے اصولوں کے مطابق کریں کہ وہ صالح مرد اور صالح عورتیں بنیں۔ ان کے دِل میں اس امر کا یقین ہو کہ فاسد خیالات کا دل میں پیدا کرنا۔ ان کا دماغ صرف نیک اور صالح اعمال کی طرف متوجہ ہو۔ اور وہ اپنی تمام قوتیں پورے طور پر دین و دنیا کے صراط المستقیم پر صرف کر سکیں۔ یہی دُنیا میں کامیاب زندگی کا راز ہے۔

مفتی جلال الدین احمد امجدی

مسلم کتابوی لاہور

عظمتِ والدین

مُفتی مُحمّد نظام الدّین رضوی

مُسلم کتابوی لاہور

قابلِ مطالعہ کتابیں

عمدۃ الاصول فی حدیث الرسول علامہ قاضی غلام محمود ہزاروی	**میاں بیوی — اسلام کی روشنی میں** مجموعہ مقالات متعدد علماء کرام
فرائد النور صدر الافاضل سید محمد نعیم الدین مرادآبادی	**حضور کی نماز** مولانا تنویر المصطفیٰ رضوی
اسلامی کہانیاں مولانا احسن القادری	**فیصلہ ہفت مسئلہ** حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی
انوارِ فضائل قرآن علامہ محمد عبد المبین نعمانی قادری	**حضرت امیر خسرو کی بیٹی کے نام نصیحت** ڈاکٹر محمد شجاع منشی
امام اور مقتدی جماعت کیلئے کب کھڑے ہوں مفتی سید شاہد علی قادری	**جدید بینکاری اور اسلام** مفتی محمد نظام الدین رضوی
سائنس اُمتِ مسلمہ کی گمشدہ میراث ڈاکٹر لیاقت علی خان نیازی	**مزارات پر گنبد** مجموعہ تحقیقات اکابر علماء اہلسنت
آداب الاخیار صدر الافاضل سید محمد نعیم الدین مرادآبادی	**ریاضِ نعیم** صدر الافاضل سید محمد نعیم الدین مرادآبادی
حدائقِ بخشش مجدد دین و ملت امام احمد رضا قادری	**مقالاتِ کنز الایمان** مجموعہ مقالات جید علماء کرام

الارشاد الی مباحث المیلاد علامہ محمد عالم آسی امرتسری	**سنت کی آئینی حیثیت** علامہ بدر القادری	**اسلامی تعلیم** مفتی جلال الدین احمد امجدی